ستمبر
2025

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی و علمی ترجمان

ماہ نامہ

مبارک پور

اشرفیہ

اس میں کوئی شک نہیں کہ جب نطقِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر جمیل ہو، تو جان لو کہ یہاں الفاظ نہیں بولتے، یہاں وحی کی روشنی بولتی ہے، یہاں رب کی مرضی بیان ہوتی ہے۔ یہ زبان وہ ہے جس پر جبرئیل امین ناز فرماتے ہیں، جس پر ربِ کریم کا کلام اترتا ہے، در حقیقت ان کی زبان نبوت کی چادر میں لپٹی ہوئی صداقت ہے۔ جب وہ بولتے ہیں، تو وہ کلام صرف دلوں کو ہی نہیں گرماتا بلکہ روحوں کو جلا بخشتا ہے، ذہنوں کو روشنی دیتا ہے اور معاشروں کو عدل وانصاف عطا کرتا ہے۔

ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان تو وہ زبان ہے جس نے وحی کے موتی بکھیرے، امت کو ایمان کے الفاظ سکھائے، کفر کی تاریکی میں ہدایت کے چراغ روشن کیے، شریعت کی راہیں متعیّن کیں، انسانیت کو آسمانی لغت عطا فرمائی۔ یقین جانو صرف قرآن نہیں بلکہ حدیثیں بھی اسی سرچشمۂ وحی کا تسلسل ہیں۔ آپ کی ہر حدیث، ہر قول، ہر ارشاد "ھویٰ" (خواہش) سے پاک، اور رب کی وحی سے معمور ہے۔

مُبارک حسین مِصباحی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیادگار: حضور حافظِ ملت علامہ شاہ الحاج عبد العزیز قدس سرہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی و علمی ترجمان

ماہ نامہ
اشرفیہ
مبارک پور

زیر سرپرستی
عزیز ملت حضرت علامہ شاہ
عبد الحفیظ عزیزی
سربراہِ اعلیٰ
الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

THE ASHRAFIA MONTHLY Mubarakpur. Azamgarh (U.P.) India. 276404

جلد نمبر 50 شمارہ 9 | ستمبر 2025ء | ربیع الاول 1447ھ

مجلس ادارت

مدیر اعلیٰ : **مبارک حسین مصباحی**
منیجر : محمد محبوب عزیزی
تزئین کار : مہتاب پیامی

مجلس مشاورت

مولانا محمد احمد مصباحی
مفتی محمد نظام الدین رضوی
مولانا محمد ادریس بستوی
مولانا محمد عبد المبین نعمانی

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ
دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور اعظم گڑھ یو۔ پی۔ ۲۷۶۴۰۴

+91 9935162520 (Manager)

زرِ تعاون

قیمت عام شمارہ: 30 روپے
سالانہ (بذریعہ سادہ ڈاک) 300 روپے
سالانہ (بذریعہ رجسٹری) 600 روپے

سری لنکا، بنگلا دیش، پاکستان، سالانہ
750 روپے
دیگر بیرونی ممالک
$25 امریکی ڈالر £20 پونڈ

نوٹ: آپ ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

http://www.aljamiatulashrafia.org
Email : ashrafiamonthly@gmail.com
mubarakmisbahi@gmail.com
info@aljamiatulashrafia.org

BHIM
BHIM UPI Payments Accepted at
ASHRAFIA MONTHLY

ASHRAFIA MONTHLY
A/c No. 3672174629
Central Bank Of India
Branch : Mubarakpur IFSC : CBIN0284532
اکاؤنٹ میں رقم جمع کرنے کے بعد آفس کے نمبر پر فون کریں یا بذریعہ ڈاک مطلع کریں۔ (منیجر)

مولانا محمد ادریس بستوی نے فیضی کمپیوٹر گرافکس، گورکھ پور سے چھپوا کر دفتر ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

مشمولات

اداریہ		مدح محبوب کا دیوان ہے قرآن مجید	مہتاب پیامی	5
قرآنیات	تفہیم قرآن	مونث سماعی (2)	مولانا محمد حبیب اللہ بیگ ازہری	12
فقہیات	آپ کے مسائل	کیا فرماتے ہیں....	مفتی محمد نظام الدین رضوی	14
تحقیقات	شواہد ونتائج	لفظ حسن صحیح یا حسنِ صحیح	سید حدیر الحسن شاہ	16
نظریات	فکر امروز	مدارس کا خاموش المیہ	محمد اشفاق عالم امجدی	19
اسلامیات	شعائر	حضور اکرم ﷺ بحیثیت معلم	محمد آصف اقبال مدنی	21
		صلح کرانے کی فضیلت واہمیت	محمد کامران رضا گجراتی	26
شخصیات	انوار حیات	علامہ ارشد القادری اور تحفظِ عقائد	مولانا محمد عبد المبین نعمانی	29
تاریخیات	یاد ماضی	اسلامی تاریخ کی اہمیت وافادیت	عبد المنان محمد شفیق	32
طبیات	حفظان صحت	کیا آپ بھی بالوں کے گرنے سے پریشان ہیں	ڈاکٹر ام فرح	34
بزم خواتین	چراغ خانہ	عالمات ہوش میں آجائیں	ذکریٰ امجدی واسطی	35
بزم دانش	فکر ونظر	مدارس کی تعلیم اور جدید تقاضے	مفتی ڈاکٹر محمد سبطین رضا مرتضوی	36
			ڈاکٹر جہانگیر حسن مصباحی	41
ادبیات	گوشۂ ادب	فانی گورکھ پوری کی شعری کائنات (2)	ڈاکٹر صابر رضا رہبر مصباحی	45
	نقد ونظر	سلسبیل-عشق وعقیدت کا چھلکتا جام	تبصرہ نگار: مہتاب پیامی	48
وفیات	سفر آخرت	تعزیتی کلمات	مولانا محمد عارف رضا نعمانی	52
		مولانا الحاج ممتاز احمد مصباحی کا وصال	رئیس احمد عزیزی مصباحی	52
مکتوبات	صدائے بازگشت	مفتی ڈاکٹر محمد سبطین رضا مرتضوی/محمد شارق رضا		54
سرگرمیاں	عالمی خبریں	غزہ میں اسرائیل کا انسانی کیمپ منصوبہ		55
	خیر وخبر	علما کی قیادت میں انصاف کی شان دار فتح		57
منظومات	خیابانِ حرم	نعتیں	محمد مدثر حسین اشرفی پورنوی/سید محمد نور الحسن نور نوابی	58

اداریــــــــہ

مدح محبوب کا دیوان ہے قرآن مجید

مہتاب پیامی

وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ ●

غور تو کرو! وہ کون ہے جس کا نام آسمان نیلی فام پر ایسا چمکا کہ اس نے آفتاب کو بھی شرما دیا، ہواؤں کی لَے میں ایسا گونجا کہ سماعتوں کو زندگی عطا کر دی، اس نام نے بے ناموں اور گم ناموں کو نام ور بنایا، اس نام اور اس نام والے کے ذکر کو اتنی رفعت عطا ہوئی کہ انسانی عقل اس کا احاطہ کرنے سے قاصر ہے، وہ نام نامی ہے مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام "محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ یہ وہ نام ہے جو محض "نام" نہیں بلکہ نفس بن کر اُمت کے سینوں میں اتر چکا ہے۔

ربِ جلیل کا فرمانِ عالی شان "وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ" (الم نشرح:4) ایک ایسا آسمانی اعلان ہے جو صرف فضاؤں میں نہیں گونجتا، بلکہ تقدیر کے اوراق، اذان کے نغموں، نماز کے تشہد، خطبوں کے جملوں، اور عاشقوں کے دلوں کی دھڑکنوں میں گونجتا ہے۔ یہ آیت مبارکہ ایک ابدی مہر ہے کہ اے محبوب! جب بھی کوئی ہمیں پکارے گا، وہ تمھیں بھی پکارے گا، جب بھی ہمارا نام بلند ہوگا، تمھارا نام بھی ہوگا۔ اذان کی بلند ہوتی ہوئی صدائیں، کعبے کے گرد طواف کرتے ہوئے لبیک کے نعرے، منبر سے گونجتے ہوئے خطبے، دلوں، دعاؤں اور دنیاؤں میں ہر مقام پر گونجتا ہوا ہمارے آقا کا نام ایسا ہے جس کی تمثیل ممکن نہیں۔ وہ نام جتنا بلند و بالا اور بزرگی کا حامل ہے نہ آج تک کوئی نام اس منزل تک پہنچ سکا نہ آئندہ کبھی پہنچے گا۔ تمام صحابہ اور تابعین کے اقوال اس راز کی نقاب کشائی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ ذکرِ محمدی، ذکرِ الٰہی سے جدا نہیں ہو سکتا۔

سوچیے تو سہی! کیا یہ مقام کسی اور کو ملا؟ کیا کسی اور کے نام کے ساتھ رب نے اپنا نام جوڑا؟..... نہیں! یہ صرف اُس ہستی کا حصہ ہے، جس نے مکہ کے ریگزاروں سے اُمت کو خدا کی طرف بلایا، جس کی ہر آہ، ہر سجدہ، ہر دعا میں صرف امت کی فکر تھی، اور رب نے اُس کی یاد کو ایسا دوام عطا فرمایا جو وقت کی گردش سے ماورا ہے۔ دنیا میں صداؤں کا رنگ بدلتا ہے، اقوام ابھرتی ہیں اور مٹتی ہیں، شہنشاہوں کے نام تاریخ کی قبروں میں دفن ہو جاتے ہیں، مگر ایک نام صرف ہمارے آقا کا ایسا ہے جو تاریخ کی ہر صبح کا آفتاب روشن نظر آتا ہے۔ اگر کبھی کسی شاعر کے دل میں خیال آئے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرے، تو اسے پہلے آسمان کی گواہی لینا ہوگی، کیوں کہ ذکر تو وہی ہے جو عرش سے شروع ہو اور دل کی زمیں پر اترے۔

پس جان لو کہ جب رب کائنات خود ارشاد فرما دے کہ: "ہم نے تمھارا ذکر بلند کر دیا"، تو زمین و آسمان کے ہر ذرّے، ہر صدا، ہر خامشی کو یہ اقرار کرنا ہوگا کہ: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم سب تیرے ذکر کے خادم ہیں۔

بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ●

یاد رکھو! نام محض پکارنے کے لیے نہیں ہوتے، نام کسی وجود کی شناخت، صفات کی زبان، اور معنی کی روح ہوا کرتے ہیں۔ جب کسی عام انسان کا نام ہو، تو وہ صرف تلفظ کا ہنر ہوتا ہے۔ مگر جب ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہو تو وہ نسبتِ الٰہیہ کا جلال بن جاتا

جامعہ اشرفیہ، مبارک پور۔ payamee@gmail.com۔9235647041

ہے۔جب خالقِ کائنات خود کسی کا نام اپنے نام سے جوڑ دے، جب اذان کے ہر جملے کے بعد اس نام کی خوشبو آئے، جب کائنات کے خالق کی رحمت اور رافت کے الفاظ، اسی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں نازل ہوں تو سمجھ لو، یہ کوئی معمولی نام نہیں، یہ اسمِ اعظم کے بعد سب سے برگزیدہ اسم ہے۔

قرآن کہتا ہے:"بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ "(التوبہ:128)

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دو اسما سے پکارا جو صرف اسی کے لیے مخصوص ہیں، اور وہ کسی بشر کے لیے استعمال نہ ہوئے تھے"۔(بحوالہ الرازی، التفسیر الکبیر، تحت آیۃ التوبۃ:128)

یہ رؤف ورحیم دو نام، اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنہ میں سے ہیں، لیکن رب نے ان کو اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کے طور پر ذکر فرمایا۔ تو یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ یہ محض صفت نہیں، بلکہ عطائے ربانی ہے۔رب تبارک وتعالیٰ گویا خود گواہی دیتا ہے کہ جس طرح میں بندوں پر رؤوف ہوں، ویسا ہی میرا نبی بھی ہے۔جس طرح میں رحم کرنے والا ہوں، وہ بھی میری رحمت کا عکس ہے۔

اب آئیے اسم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف، یہ وہ نام ہے جسے آسمانوں نے پہلے سنا، پھر زمین پر گونجا۔یہ وہ نام ہے جس کا مطلب ہی ہے:"بہت زیادہ تعریف کیا گیا" اور جب تعریف خود رب کرے، تو پھر کلامِ بشر کی کیا حیثیت؟

رب نے اپنے نبی کو کبھی "یا محمد" کہہ کر نہیں پکارا بلکہ ہمیشہ فرمایا:"يا أيها الرسول""يا أيها النبي"گویا خود اپنے بندوں کو ادب کا قرینہ سکھاتے ہوئے فرمایا کہ جب میرے محبوب کا ذکر آئے تو بے ادبوں کی طرح نام لے کر نہ بلاؤ بلکہ "يا أيها الرسول""يا أيها النبي"کہہ کر پکارو۔

دیگر انبیا کا ذکر کرنا ہوا تو کہیں "یا آدم" کہا، کہیں "یا نوح" فرمایا، کہیں "یا موسیٰ" سے خطاب کیا تو کہیں "یا عیسیٰ" سے، مگر جب پروردگار عالم نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا تو فرمایا:"يا أيها الرسول، يا أيها النبي، يا ايها المزمل، يا ايها المدثر، طٰهٰ، يٰسٓ"یعنی جتنے نام، اتنی نسبتیں، اور ہر نسبت ربانی رنگ میں ڈوبی ہوئی۔

چشمِ عقیدت ومحبت سے دیکھو تو معلوم ہوگا کہ جب ان کا ذکر ہوتا ہے تو الفاظ جھک جاتے ہیں، ان کا نام آتا ہے تو قاری کی آواز لرزنے لگتی ہے، کیوں کہ وہ رب کے محبوب ہیں۔

دیکھو، محبوب اور محب میں کیسی نسبت ہے کہ جب "أشهد أن لا إله إلا الله" کہا جائے تو فوراً "وأشهد أن محمدًا رسول الله" کہنا لازم ہو جاتا ہے، یہ نسبتِ توحید اور نبوت کا ایسا جوڑ ہے جسے کوئی زبان، اور کوئی زمانہ جدا نہیں کر سکتا۔یہی وہ نسبت ہے جس کی وجہ سے گناہ گاروں کو امید کا چراغ روشن نظر آتا ہے، عاشقوں کو حیاتِ تازہ ملتی ہے اور امت کو نجات کا سامان فراہم ہوتا ہے۔یہی وہ نام ہے جسے رب نے نمازوں میں لازم کیا اور اذکار میں محبوب۔

تو اے اہلِ دل! جب تم ان کا ذکر کرو تو جان لو کہ تم صرف ذکر نہیں کر رہے ہو بلکہ ایک نورانی نسبت سے اپنے زبان و دل کو منور کر رہے ہو، یہ نسبت تمھیں رب سے جوڑتی ہے، یہ نسبت تمھیں نجات دلاتی ہے، یہ نسبت تمھیں انسانیت سے بلند کر کے عبدیت کی رفعت عطا کرتی ہے۔

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى

کبھی تم نے کسی بشر کے بارے میں رب کو قسم کھاتے دیکھا؟ کبھی سنا کہ خود خالقِ عقل، کسی کے عقل پر گواہ بن جائے؟ یہی تو وہ لمحہ

نور ہے، جہاں انسان کی فہم عاجز، اور زبان خاموش ہو جاتی ہے، جب کلامِ ربانی اعلان کرتا ہے:

''مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ''(النجم:2)

تمھارے صاحب (محمد ﷺ) نہ بہکے نہ بے راہ چلے۔

یہ کوئی عام تزکیہ نہیں، یہ حقیقتِ عقلِ محمدی ﷺ کی وہ الہامی سند ہے، جو عقل کی بلندیوں کو ماورا کر کے یقین کی وادیوں میں اتارتی ہے۔ عقل کو انسان نے تاجِ فضیلت سمجھا، اس کے ذریعے فلسفے تراشے، منطق کے محل تعمیر کیے، جس پر قومیں ناز کرتی رہیں، مگر اس عقل کی معراج تو ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی فطری عقل ہے جو کسی مکتب، کسی معلم اور کسی نسخے کی مرہونِ منت نہیں۔ ان کی اس عقلِ عظیم کے آگے سقراط کی تعلیم، ارسطو کی منطق اور افلاطون کے خیالات، سب ڈگمگا گئے۔ ان کی عقل وحی کے چشمے سے سیراب ہوتی تھی اور فطرت کے آسمان سے اتر کر زمین پر مہتاب بنتی تھی۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ جس نے سیرتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، اس کی فراست، سیاست، تدبیر، معاملات، اور حکمتوں میں غور کیا، وہ یہی کہے گا کہ ایسی عقل نہ کسی نے پائی، نہ کبھی کوئی پائے گا۔

ایسی عقل، جو جذبات میں عدل کو فراموش نہ کرے، ایسی حکمت، جو دشمن کے دل میں بھی خیر کی راہ روشن کرے، ایسی بصیرت، جو آنے والے صدیوں کو روشنی عطا کرے وہ ہمارے آقا کی شمعِ عقل ہے جو وحی کے روغن سے جلتی، فطرت کی روشنی میں چمکتی، اور زمانے کو اندھیروں سے نکالتی ہے۔ جب طائف میں ظلم وستم کے پتھر چلے، تو عقلِ محمدی نے صبر کی قمیص پہنی، جب منافقین نے نفاق کے خنجر چلائے تو حلم کی چادر اوڑھ لی، جب بدر و احد کے فیصلے ہوئے، تو تدبیرِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی آفاقیت ظاہر ہوئی، اور جب امت کو نظامِ عدل عطا کیا گیا، تو ان کی عقل نے قانون کی آخری شق لکھ کر یہ بتا دیا کہ وہ نہ صرف ظاہری تدبیر کی علامت ہے، بلکہ باطنی حکمت، روحانی بصیرت، قلبی اور اخلاقی حکمت کا وہ جامع گلدستہ ہے، جس سے ہر صدی، ہر مکتب، ہر نظریہ خوشبو کشید کرتا رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن میں ارشادِ ربانی ہے:

''مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى '' تمھارے صاحب نہ بہکے نہ بے راہ چلے۔

بہتوں نے اسے نفیِ ضلالت سمجھا مگر اصل میں یہ نفیِ ضلالت نہیں، بلکہ اثباتِ ہدایت ہے۔ یہ اس بات کا اعلان ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل، نہ صرف صراطِ مستقیم پر ہے، بلکہ وہ خود صراطِ مستقیم کا مرکز ومحور ہے۔

پس اے دنیا والو! اگر تم علم چاہتے ہو، تو ان کی بے مثال عقل سے روشنی حاصل کرو، اگر تم سیاست چاہتے ہو، تو ان کے تدبر سے سبق حاصل کرو، اگر تم حیات چاہتے ہو، تو ان کے شعور سے آشنا ہو جاؤ؛ کیوں کہ ان کی عقل، وہ پیمانہ ہے جس پر قیامت تک انسانوں کی عقلیں پرکھی جائیں گی۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ●

جب کوئی لب گویا ہو، تو دل سوال کرتا ہے کہ یہ صدا کہاں سے آئی؟ یہ لفظوں کی ردا کس نے اوڑھی؟ یہ باتوں کی مہک کس بزم سے آئی؟ اور جب گویا ہونے والے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں تو سوال کا جواب بھی آسمان سے نازل ہوتا ہوا محسوس ہوتا ہے:

''وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ، اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ''(النجم:3،4)

یعنی وہ خواہشِ نفس سے نہیں بولتے، یہ تو وحی ہے جو ان پر نازل کی جاتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جب نطقِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر جمیل ہو، تو جان لو کہ یہاں الفاظ نہیں بولتے، یہاں وحی کی روشنی بولتی ہے، یہاں رب کی مرضی بیان ہوتی ہے۔ یہ زبان وہ ہے جس پر جبرئیل امین ناز فرماتے ہیں، جس پر رب کریم کا کلام اترتا ہے، در حقیقت ان کی زبان نبوت کی چادر میں لپٹی ہوئی صداقت ہے۔ جب وہ بولتے ہیں، تو وہ کلام صرف دلوں کو ہی نہیں گرماتا بلکہ روحوں کو جلا بخشتا ہے، ذہنوں کو روشنی دیتا ہے اور معاشروں کو عدل و انصاف عطا کرتا ہے۔

ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان تو وہ زبان ہے جس نے وحی کے موتی بکھیرے، امت کو ایمان کے الفاظ سکھائے، کفر کی تاریکی میں ہدایت کے چراغ روشن کیے، شریعت کی راہیں متعیّن کیں، انسانیت کو آسمانی لغت عطا فرمائی۔ یقین جانو صرف قرآن نہیں بلکہ حدیثیں بھی اسی سرچشمۂ وحی کا تسلسل ہیں۔ آپ کی ہر حدیث، ہر قول، ہر ارشاد "ھوٰی" (خواہش) سے پاک، اور رب کی وحی سے معمور ہے۔

کتنا عظیم ہوتا ہوگا وہ لمحہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی سائل کے سوال پر لب کھولتے ہوں گے اور جواب وحی بن کر اترتا ہوگا، کوئی فقیہ پوچھتا ہوگا تو فقہ اور کوئی عاشق پوچھتا ہوگا تو آیتِ محبت کا نزول ہوتا ہوگا اور جب کوئی دشمن طعنہ دیتا ہوگا تو رب اپنے محبوب کی طرف سے خود جواب دیتا ہوگا۔ یہی تو مقامِ نطقِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ نہ اس میں خطا ہے، نہ غرض، نہ جھوٹ، نہ لغو۔ یہ وہ کلام ہے جو زمین پر نازل ہوا، مگر آسمان کی خوشبو لیے ہوئے ہے۔ یہ نور ہے، جو دل کو جگاتا ہے، اور روح کو بلند کرتا ہے۔

تو اے اہلِ عقل! جب تم لفظوں کی صداقت تلاش کرو، جب تم کلام میں صدق، حکمت، موعظت، تقویٰ اور عشق تلاش کرو، تو میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے لبوں کی جنبش کو سنو۔ کیوں کہ ان کے ہونٹوں سے نکلنے والی ہر بات، در حقیقت خالق کی طرف سے ہدایت کا جام ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: "جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کچھ کہتے، تو ہم جانتے کہ وہ وحی ہے۔"

اور آج بھی جب میرے جیسا کوئی نعت نگار لفظ چنتا ہے، جب کوئی عاشق سلام پڑھتا ہے، جب کوئی عالم دین حدیث بیان کرتا ہے، تو وہ نطقِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے بحرِ ناز سے ہی قطرہ کشی کر رہا ہوتا ہے۔

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ

سوچو! کبھی کسی کے کردار پر آسمان نے قسم کھائی؟ کبھی کسی کی ذات کو خُلُقِ عظیم کا پیکر رب نے قرار دیا؟ کبھی کسی انسان کے اخلاق کی تصدیق براہِ راست خالقِ اخلاق نے کی؟ — ہاں، یہ صرف اُس ہستی کے حصے میں آیا، جس کی فطرت، گفتار، کردار، مزاج، زبان، لب، خامشی، صبر، حلم، عفو، جود، محبت، سب کچھ خالص خدا کے نور سے تراشا گیا۔

قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے: "وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ" (القلم:4)

بے شک تم عظیم خلق کے بلند مرتبے پر فائز ہو۔

لفظ "عظیم" جب اللہ تعالیٰ خود استعمال کرے، تو وہ عظمت کسی انسانی تصور کی حدود میں نہیں آتی۔ یہ کوئی شاعرانہ تعبیر نہیں، کوئی مبالغہ نہیں، یہ الٰہی تصدیق ہے، کہ محمد ﷺ کا ہر عمل، ہر سلوک، ہر رویہ، خلقِ انسانی کی بلند ترین مثال ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "كان خلقه القرآن." (مسند احمد، 148/41)

ان کا اخلاق ہی قرآن تھا۔ یعنی اگر تمھیں قرآن عملی صورت میں دیکھنا ہو تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو دیکھو۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے کیا خوب فرمایا: "اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، صرف پسندیدہ خصلتیں نہیں، بلکہ وہ ہر وہ خوبی ہیں جنہیں عقلا سراہیں، شرع جنھیں واجب قرار دے، اور انسانیت جنھیں سلام کرے۔" (شفا شریف)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق عظیم نرم ایسا کہ پتھر بھی پگھل جائیں، حلم کی بات کی جائے تو سمندر سے زیادہ گہرا، سخاوت بے کراں، اور رحم تو ایسا کہ گویا خود رحمت متشکل ہو کر چل رہی ہو۔

مدینے کے گلیوں میں جو پاؤں پاؤں چلے، وہ صرف انسانوں کی راہنمائی کے لیے نہ آئے تھے، وہ اخلاق کے زندہ نمونوں کو زمین پر چلتا ہوا دکھانے کے لیے آئے تھے۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو یتیموں کو سینے سے لگا لیتے، غلاموں کے ساتھ فرش خاک پر بیٹھ جاتے، دشمنوں کے سینے پر بھی رحمت کا ہاتھ رکھ دیتے، اور دوست کو ایسا احترام دیتے کہ وہ خود کو خلیفۂ وقت سمجھے۔ ایسا خلق عظیم کہ دشمنوں نے بھی اقرار کیا کہ "ہم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کبھی جھوٹ بولتے، بدلہ لیتے، یا حد سے تجاوز کرتے نہ پایا۔"

آپ کا یہ خلق صرف عبادت میں ظاہر نہ ہوتا تھا، یہ خلق تو تجارت میں بھی تھا، بچوں کی دل جوئی میں بھی تھا، گھریلو معاملات میں بھی تھا، جنگ کی تدبیروں میں بھی تھا، اور امت کی تربیت میں بھی۔ یہ وہ خُلق تھا جس نے دلوں کو مسخر کیا، قبائل کو یکجا کیا، اور انسانیت کو ایک نیا معیار عطا فرمایا۔

اگر تمھیں خلقِ عظیم کا مشاہدہ کرنا ہو تو ان صفحات کو مت پڑھو؛ بلکہ مدینے کی گلیوں میں اپنے دل کو لے چلو، جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاموشیاں اخلاق کا اعلان اور لب کشائیاں وحی کا پیکر تھیں۔

تو اے اہلِ دل! اگر تم سیرت پڑھتے ہو، تو اخلاق پڑھو، اگر تم عشق کرتے ہو، تو اخلاق کو اپناؤ، کیوں کہ اخلاقِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ شمع ہے جس سے امت کا بجھا ہوا چراغ پھر سے روشن ہو سکتا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

ہر زمانہ کسی مثال کا محتاج رہا ہے، کبھی فاتحین کی تلوار، کبھی فلاسفہ کے افکار، کبھی اولیا کے اذکار، کبھی مصلحین کا وقار، مگر جب رب نے خود ایک ہستی کو اسوہ (نمونہ) قرار دے دیا، تو اس بات کا اعلان فرما دیا کہ اب قیامت تک محمد ﷺ کی ذات ہی انسانیت کے لیے مکمل ترین معیار ہے۔

اسوہ، یعنی کامل نمونہ؛ نہ صرف عبادت کا، بلکہ محبت کا بھی، نہ صرف زہد کا، بلکہ قیادت کا بھی، نہ صرف خانقاہ کا، بلکہ بازار کا بھی، نہ صرف محراب کا، بلکہ میدانِ جنگ کا بھی۔ اور یہی وجہ ہے کہ رب تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

"لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" (الاحزاب: 21)

یعنی تمھارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بہترین نمونہ ہے۔

یہ عام مثال نہیں، یہ تمھارا نصیب ہے کہ تمھارے لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو معیار بنایا گیا، یعنی ان کی سیرت، ان کی طبیعت، ان کا کردار، ان کا سکوت و کلام، سب کچھ بہترین نمونہ ہے، "سب سے کامل، سب سے نافع۔

نبی ﷺ کا اسوہ کیا ہے؟ نماز میں عاجزی، روزہ میں صبر، معاملات میں سچائی، تجارت میں امانت، محبت میں وفا، جنگ میں حکمت، امن میں شفقت، اقتدار میں عدل، گھریلو زندگی میں حلم، دوستی میں وفاداری اور دشمنی میں ظرف۔

اسوۂ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم وہ ہے جو یتیم کے سر پر ہاتھ رکھے اور بادشاہ کو تخت سے اتار کر تواضع سکھا دے، جو بیوی کے ساتھ

مسکرائے، میدانِ جنگ میں للکارے، جو بچوں کے ساتھ دوڑے اور جبریل کے ساتھ معراج پر جائے۔

یہی تو اسوہ ہے، جو حکمت کا معیار، رحمت کا مظہر اور مردِ کامل کی تجلی ہے۔ یہ وہ اسوہ ہے جو ہر دور کی قیادت کے لیے نمونہ، ہر اصلاح کے لیے نقطۂ آغاز اور ہر روح کے لیے رہنمائی ہے۔

دیکھا جائے تو دنیا میں ہزاروں کردار نظر آئیں گے مگر وہ سب ایک دائرے میں قید ہوں گے، کسی کے اندر صبر تو ہو گا مگر جلال نہ ہو گا، کسی میں علم تو ہو گا مگر حلم نہ ہو گا، کسی میں جلال تو ہو گا مگر جمال نہ ہو گا۔ مگر ایک ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ ان کا کردار تمام خوبیوں کا سنگم، تمام صفات کا مظہر، تمام انسانی ارتقا کا آخری زینہ ہے

تو اے اہلِ محبت! اگر تم کو نجات درکار ہے، اگر تم عزت و فلاح اور ایمان و عرفان چاہتے ہو تو اسوۂ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے جام سے اپنی پیاس بجھالو، اسی میں نجات ہے، اسی میں فلاح ہے، اور یہی تمھاری زندگی کا سب سے بڑا حاصل ہے۔

وَمَا اَرۡسَلۡنَاكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعَالَمِيۡنَ ●

رحمت، ایک ایسا لفظ ہے جو خود میں نرمی، محبت، شفقت، ہمدردی، اور عطا کا رنگ رکھتا ہے۔ لیکن جب خالقِ رحمت خود کسی کو "رحمت" کہہ دے، تو پھر وہ محض ایک صفت نہیں رہتی، بلکہ وہ کائناتی صداقت بن جاتی ہے، اور وہ ذات صرف انسانیت کے لیے نہیں، بلکہ عالمین کے لیے رحمت بن جاتی ہے۔

قرآن کی اس عظیم آیت: "وَ مَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ" (الانبیاء:107) میں ایک عالم گیر اعلان پوشیدہ ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صرف کسی خاص قوم، ملک، یا زمانے کے لیے نہیں، بلکہ تمام مخلوقات کے لیے، ہر دور، ہر نسل، ہر سانس کے لیے، سراپا رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

یہ رحمت کیا ہے؟ یہ وہ مہر ہے، جو پتھروں کو نرم کردے، تیغوں کو نیام میں ڈال دے، دلوں کو جیت لے، اور دشمنی کو محبت میں ڈھال دے؛ کبھی بدر کی خاک پر قیدیوں کو آزاد کرتے ہوئے، کبھی احد کے زخموں کے باوجود دعا دیتے ہوئے، کبھی طائف کی سنگباری سہ کر معافی بانٹتے ہوئے، کبھی مکہ کی فتح پر دشمنوں کو "اذھبوا فأنتم الطلقاء" کہہ کر سینے سے لگاتے ہوئے۔ (السنن الکبری للبیہقی، 199/9)

یہ تمام مناظر چیخ چیخ کر گواہی دیتے ہیں کہ یہ "رحمت مجسم" ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

اس آیت کا اعجاز یہ ہے کہ "رحمت" کو "رسالت" کی علت قرار دیا، یعنی نبوت بھی رحمت کی بنیاد پر ملی! بعثت بھی رحمت ہے، کلامِ الٰہی بھی رحمت ہے، سنتِ محمدی ﷺ بھی رحمت ہے، اور ہر لمحہ، ہر ادا، ہر خاموشی، ہر لب کشائی؛ بس رحمت کا ترجمہ اور ترجمانی ہی تو ہے۔ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ "جو اس رحمت کو قبول کرے گا، وہ دنیا و آخرت میں فلاح پائے گا اور جو رد کرے گا، وہ اپنے نصیب سے محروم ہو جائے گا۔"

اور یہ "عالمین" صرف انسان نہیں، بلکہ جنات، حیوانات، نباتات، فرشتے، ہوائیں، پرندے، دریا، وقت، قافلے، اور زمین کے ذرّے سب اس "عالمین" میں شامل ہیں۔ مدینے کی گلیوں میں چلتی خوشبو، وعدے پر پلٹ کر آتی ہوئی ہرنی، اونٹنی کی آنکھوں سے ٹپکنے والا آنسو، چلتا ہوا درخت، پلٹتا ہوا سورج اور سینہ چاک کرتا چاند، سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کے آئینے ہیں۔

آج اگر دنیا ظلم سے بھری ہوئی ہے، انسان کا دل نفرت سے سیاہ ہے، تو ہمیں صرف اس رحمت کی طرف پلٹنے کی ضرورت ہے کیوں کہ وہ "رحمت" محض لفظ نہیں، بلکہ زندگی کا آخری سہارا ہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "أنا رحمة مهداة" میں تو رحمت بھیجی ہوئی ہوں۔" تو گویا انھوں نے اپنی بعثت کی پوری کائناتی تعریف چند الفاظ میں سمیٹ دی۔

پس جان لو محمد ﷺ کا ہونا، رحمت کا اترنا ہے۔ ان پر درود بھیجنا، رحمت میں داخل ہونا ہے۔ ان کی سنت کو تھام لینا، رب کی رضا پالینا ہے۔ ان سے محبت رکھنا، خود رحمت بن جانے کی پہلی شرط ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ●

کیا تمیں یہ جان کر خوش گوار حیرت نہ ہوگی کہ جب آسمانوں کے فرشتے سجدہ گزار ہوں، جب کہکشاؤں کی وسعت تسبیح ربانی کے بحر ناپیدا کنار میں غرق ہو اور خود رب العزت فرما رہا ہو: "اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ" (الاحزاب:56)

یعنی اللہ رب العزت خود بھی اور اس کے تمام نورانی لشکر بھی ایک ہی طرف متوجہ ہیں، وہ طرف ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس۔

یہ کوئی عام ذکر نہیں، یہ رب کا ذکر ہے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے، جو مخلوقات کے ایمان کا تاج، اور محبتوں کا سب سے مقدس عمل بن جاتا ہے۔

"يُصَلُّوْنَ" یہ فعل مضارع ہے، یعنی ہمیشہ جاری رہنے والا درود۔ یعنی درود بھیجنے میں نہ رب کبھی تھمتا ہے نہ فرشتے کبھی تھکتے ہیں، نہ آسمانی دربار میں لمحہ بھر کے لیے کبھی یہ ذکر رکتا ہے۔ اور پھر زمین والوں سے خطاب ہوتا ہے: "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا" اے ایمان والو! تم بھی شامل ہو جاؤ درود کے اس بہتے ہوئے نورانی دریا میں۔

جان لو یہ محض کوئی ترغیب نہیں، یہ تو امر ہے، فرمان ہے، محبت کا تقاضا ہے۔

درود صرف چند کلمات کا نام نہیں یہ رحمتوں کی برسات کا نام ہے، درود دلوں کی تطہیر ہے، گناہوں کا کفارہ ہے، اور قربِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذریعہ ہے۔ درود ایک ایسا ہدیہ ہے، جسے انسان رب کے دربار میں بھیجتا ہے اور جس کا عوض، رب تبارک و تعالیٰ دس رحمتوں کے ساتھ لوٹاتا ہے۔ اس کی دلیل خود قرآن مجید کی یہ آیتِ مبارکہ ہے:

"مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا." (الانعام:160)

یعنی جو ایک نیکی لائے تو اس کے لیے اس جیسی دس نیکیاں ہیں۔

ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی فرمایا: "من صلّى عليّ مرة، صلّى الله عليه بها عشراً"

جو مجھ پر ایک بار درود بھیجے، اللہ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔

کائنات میں کوئی ایسا نام نہیں جس پر رب خود بھی درود بھیجے، فرشتے بھی، اور مؤمنین بھی حکم کے پابند ہوں۔ یہ مقام محمود تو صرف ہمارے آقا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے۔ جب ہم "اللهم صل على محمد..." کہتے ہیں— تو صرف دعا نہیں کرتے، بلکہ اس آسمانی صدا میں شامل ہو جاتے ہیں اور فرشتے ہمارے لیے مغفرت کی دعا میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

اور خود فرشتے درود بھیجنے والے کے لیے مغفرت کی درخواست کرتے ہیں۔

تو اے عشقِ نبی کا دَم بھرنے والو! اگر تم چاہتے ہو کہ تمھارا نام آسمانوں پر گونجے، اگر تم چاہتے ہو کہ تمھاری دعائیں بلند ہوں، تو درود کے قافلے میں شامل ہو جاؤ، کہ یہی وہ ذکر ہے جس میں خدا، فرشتے، اور مؤمنین، سب شریک ہوتے ہیں۔ ■■■

تفہیم قرآن

2

مؤنث سماعی

محمد حبیب اللہ بیگ ازہری

الجحیم : اس کے دو معانی ہیں، ایک جہنم، دوسرے انتہائی سخت اور زبردست آگ، **جحیم** بمعنی جہنم مؤنث ہے، قرآن کریم کی مختلف آیات میں جہنم اور اس کے طبقات مؤنث ذکر کیے گئے ہیں، سورۂ تکویر میں **جحیم** کے لیے مؤنث کا صیغہ ذکر کیا گیا ہے، فرمایا:

وَ اِذَا الْجَحِیْمُ سُعِّرَتْ۔ [سورۂ تکویر:12]

یعنی جب جہنم کی آگ بھڑکا دی جائے گی۔

اور سورۂ تکاثر میں **جحیم** کے لیے مؤنث کی ضمیر لائی گئی ہے، فرمایا:

لَتَرَوُنَّ الْجَحِیْمَ ۙ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَیْنَ الْیَقِیْنِ ۙ

[سورۂ تکاثر:6-7]

یقیناً تم جہنم کو دیکھو گے، اور یقیناً یقین کی نگاہ سے دیکھو گے۔

مذکورہ بالا آیات میں **جحیم** کے لیے مؤنث کا صیغہ ذکر کرنا اور ضمیر عائد کو مؤنث لانا اس بات پر روشن دلیل ہے کہ **جحیم** بمعنی جہنم مؤنث ہے۔

الحرب: اس کا مشہور معنی جنگ ہے، اس کی جمع حروب ہے، حرب بمعنی جنگ مؤنث ہے، قرآن کریم میں ہے:

فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً حَتّٰی تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا۔ [سورۂ محمد:۴]

یا تو ان پر احسان کرتے ہوئے انھیں چھوڑ دو، یا ان سے فدیہ لے کر رہا کر دو، یہاں تک کہ جنگ بند ہو جائے۔

اس آیت مبارکہ کے مطابق حرب مؤنث ہے، کیوں کہ اس آیت میں حرب کے لیے فعل **تضع** مؤنث لایا گیا ہے، مزید یہ کہ اَوْزَارَهَا میں ضمیر عائد مؤنث ذکر کی گئی ہے، اور یہی اس کے مؤنث ہونے کی دلیل ہے۔

واضح رہے کہ کلمہ حرب جنگ کے علاوہ دوسرے معانی کا بھی افادہ کرتا ہے، حرب کا ایک معنی دشمن ہے، کہتے ہیں: **هو حرب علينا**، یعنی وہ ہمارا دشمن ہے، اسی سے دشمن کے علاقے کو **دار الحرب** کہتے ہیں۔ اور کبھی حرب ماہر جنگ جو اور بہادر کے لیے بھی بولا جاتا ہے، کہتے ہیں: **هم قوم حرب**، یعنی وہ جنگ جو قوم ہیں، یا وہ جنگوں کے ماہر ہیں۔ بہر حال حرب جنگ کے معنی ہو تو مؤنث ہوگا، دوسرے معانی میں ہو تو مذکر ہوگا۔

الحمی: اس کا معنی بخار ہے، یہ مؤنث ہے، اسی لیے اس کی صفات مؤنث ذکر کی جاتی ہیں، مثلاً: **حمی شديدة** وغیرہ۔

الخمر : اس کا معنی شراب ہے، اس کی جمع خمور ہے، لفظ خمر مؤنث، البتہ کبھی مذکر بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ ویسے خمر کا معنی شراب ہی ہے۔ لیکن چونکہ شراب انگور سے بنائی جاتی ہے، اسی لیے کبھی انگور کو بھی خمر سے تعبیر کیا جاتا ہے، اسی قبیل سے قرآن کریم کی یہ آیت بھی ہے:

قَالَ اَحَدُهُمَاۤ اِنِّیْۤ اَرٰىنِیْۤ اَعْصِرُ خَمْرًا۔

[سورۂ یوسف:۳۶]

یعنی ان میں سے ایک نے کہا کہ میں خود کو دیکھتا ہوں کہ انگور نچوڑ کر شراب بنا رہا ہوں۔

الدار : اس کا معنی گھر ہے، اس کی جمع دور ہے، یہ **دار يدور دورة** سے مشتق ہے، جس کے معنی گھومنے اور ٹہلنے کے آتے ہیں، چونکہ انسان اپنے گھر میں گھومتا پھرتا رہتا ہے، اسی

استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

لیے گھر کو دار کہتے ہیں۔ دار کا اطلاق اس کے محل وقوع، دیوار، مکان اور صحن کے مجموعے پر ہوتا ہے، دار کا مفہوم بڑا وسیع ہے، یہ صرف گھر اور رہائش گاہ کو نہیں کہتے، بلکہ ہر اس جگہ کو کہتے ہیں جس میں حاضر ہونا اور جمع ہونا ممکن ہو، دار الإفتاء، دار القضاء، دار الخلافة، دار البقاء، دار الفناء، دار القرار، دار البوار، دار السلام اور الدار الآخرة سب اسی قبیل سے تعلق رکھتے ہیں، دار مؤنث ہے، قرآن مجید میں ہے:

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ۔[سورۂ:83]

دار آخرت کی کامیابی ہم ان کو عطا کریں گے جو زمین میں تعلی اور فساد نہیں چاہتے، اور بہترین انجام متقی لوگوں کا ہے۔

اس آیت کے مطابق دار مؤنث ہے، اسی لیے دار کے لیے اسم اشارہ اور ضمیر عائد دونوں مؤنث لائے گئے ہیں۔

الدرع: اس کے دو معانی ہیں، ایک زرہ جو جنگوں میں پہنی جاتی ہے، اور دوسرے عورت کی قمیص، درع بمعنی زرہ مؤنث ہے، جب کہ درع بمعنی قمیص مذکر ہے۔

الرجل: راء کے کسرے کے ساتھ قدم کے معنی میں ہے، یہ صرف تلوے یا پیر کو نہیں بولتے، بلکہ ران کی جڑ سے لے کر پیر کے نیچے تک پورے حصے کو بولتے ہیں، اس کی جمع أرجل ہے، اور یہ مؤنث ہے۔

الرحم: یہ عورت کی بچہ دانی کے لیے بولا جاتا ہے، اس کی جمع أرحام ہے، اور چونکہ نسبی قرابت اور رشتہ داری کا تعلق ماں کے شکم سے ہوتا ہے، اسی لیے قرابت داری پر بھی رحم کا اطلاق ہوتا ہے، بہر کیف دونوں صورتوں میں رحم مؤنث استعمال ہوتا ہے۔

الرحی: اس کا معنی چکی ہے، یہ بھی مؤنث ہے، کہتے ہیں: دارت رحی الحرب بینهم. ان کے درمیان جنگ کی چکی چل رہی ہے، یعنی انھیں جنگ کی چکی پیس رہی ہے۔

الروح: اس کا مشہور معنی روح ہے، جسے جان بھی کہتے ہیں، اس کی جمع أرواح ہے، روح بمعنی جان مؤنث ہے، ارشاد باری ہے:

كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ﴿۲۶﴾ وَقِيْلَ مَنْ ٜ رَاقٍ ﴿۲۷﴾ وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿۲۸﴾۔[سورۂ قیامہ:26-28]

اس آیت میں روح قبض ہونے کا ذکر ہے، سیاق وسباق سے ظاہر ہے کہ یہاں بَلَغَت کا فاعل روح ہے، اور روح کے لیے مؤنث کا صیغہ آیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ روح مؤنث مستعمل ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ روح کے بہت سے معانی ہیں، مثلاً حکم باری، وحی الٰہی اور کار نبوت، اس کے علاوہ حضرت عیسی روح اللہ اور حضرت جبریل روح قدس علیہما السلام کے القاب، لیکن سوائے روح بمعنی جان کے کوئی بھی کلمہ معنی مؤنث نہیں ہے، ارشاد باری ہے:

فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا۔
[سورۂ مریم:17]

ہم نے مریم کے پاس اپنے فرشتے روح امین کو بھیجا، وہ مریم کے لیے صحیح وسالم انسان کی شکل میں ظاہر ہوا۔

اس آیت میں روح سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں، اور اسی روح کے لیے فَتَمَثَّلَ مذکر کا صیغہ ذکر کیا گیا ہے، جو اس بات پر واضح دلیل ہے کہ روح بمعنی روح قدس مذکر ہے، یہی حال دوسرے معانی کا بھی ہے۔

الریح: ہوا کو کہتے ہیں، اس کی جمع ریاح اور أریاح ہے، یہ بھی مؤنث ہے، قرآن کریم میں ہے:

رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۴﴾ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِاَمْرِ رَبِّهَا۔[سورۂ احقاف:24-25]

یہ ایسی ہوا ہے جس میں دردناک عذاب ہے، جو اللہ کے حکم سے ہر شے کو تباہ کر دیتی ہے۔ (باقی ص:53 پر)۔

فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

آپ کے مسائل

مفتی محمد نظام الدین رضوی

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ دین — سوال آپ بھی کر سکتے ہیں

بینک میں جمع رقم اور حیلۂ شرعی کا مسئلہ

سوال: کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ میں کہ ہند میں گورنمنٹ کا اصول ہے کہ کوئی بھی اخراجات کیش میں نہیں ہونا چاہیے۔ اس لیے گورنمنٹ کیش Withdrawal کو برا سمجھتی ہے اور کیش Withdrawal کرنے والوں پر کڑی نظر رکھتی ہے اور اس کو کمپیوٹر پروگرام کے ذریعے RED Category میں ڈال دیتی ہے اور ان RED Category والوں کو گورنمنٹ کی طرف سے Scrutiny (تحقیق و تفتیش، چھان بین وغیرہ) کے لیے بلایا جاتا ہے۔ گورنمنٹ اور گورنمنٹ کے کمپیوٹر سوفٹویئر پروگرام کے نزدیک جو کیش Withdrawal کر لیا گیا اس کو Withdrawal کرنے کے بعد اخرجات کر لیے گئے سمجھا جاتا ہے اور کیش کو دوبارہ ڈپازٹ کرنے کو نیا Donation سمجھا جاتا ہے۔ کیش Withdrawal کو بند کرنے یا کم سے کم کرنے کے لیے گورنمنٹ کی طرف سے TDS ریٹ 2 فیصد رکھا گیا ہے یعنی Withdrawal کی ہوئی رقم پر 2 فیصد ٹیکس کاٹ کر گورنمنٹ کو جمع کروانا بینک پر لازم ہے۔

نوٹ: اگر چہ ریٹرن فائل کرنے پر TDS یا تو واپس حاصل کیا جا سکتا ہے یا پھر اڈجسٹ کروایا جا سکتا ہے لیکن گورنمنٹ کی طرف سے Scrutiny (تحقیق و تفتیش، چھان بین وغیرہ) کے معاملات کا سلسلہ ہر کیش Withdrawal پر رہتا ہے بلکہ کیش Withdrawal کی ٹرانزیکشن کا سلسلہ مزید بڑھنے پر Scrutiny میں بھی مزید سختی کے امکانات بڑھ سکتے ہیں۔

مذکورہ اصول کے پیش نظر چند سوالات درج ذیل ہیں:

(1)-اگر کسی دینی و مذہبی ادارے یا تنظیم کے کسی اکاؤنٹ میں عمومی عطیات نافلہ کی رقم موجود ہے اور ادارے یا تنظیم کے کسی ذمہ دار کے پاس عمومی عطیات حیلہ شدہ رقم کیش کی صورت میں موجود ہے۔ کسی کو نافلہ رقم دینی ہے تو جو حیلہ شدہ رقم کیش میں موجود ہے اس کو نافلہ اور جو بینک میں نافلہ رقم ہے اس کو حیلہ شدہ شمار کر کے کیش میں رقم کی ادائیگی کی جاسکتی ہے؟ رہنمائی فرمائیں۔

(2)-اسی طرح بینک میں واجبہ رقم موجود ہے اور کیش میں نافلہ یا حیلہ شدہ رقم موجود ہے اور واجبہ کا شرعی حیلہ کروانا ہے تو جو رقم نافلہ کیش میں موجود ہے اس کو واجبہ اور جو بینک میں واجبہ موجود ہے اس کو نافلہ شمار کر کے کیش کی صورت میں موجود رقم کا شرعی حیلہ کروایا جاسکتا ہے؟ نیز کیش میں نافلہ رقم کم ہو اور بینک میں واجبہ کافی زیادہ ہو تو کیا نافلہ کیش پر بینک والے واجبہ شمار کر کے بار بار حیلہ شرعی کروایا جاسکتا ہے؟ یہ تک کہ بینک میں موجود مکمل واجبہ رقم کا حیلہ شرعی ہو جائے؟ رہنمائی فرمائیں۔

(3)-اسی طرح بینک میں کوئی مخصوص مقصد کی رقم (حیلہ شدہ یا نافلہ) موجود ہے اور کیش میں عمومی عطیات (حیلہ شدہ یا نافلہ) کی رقم موجود ہے اور مخصوص مد کی رقم کسی کو دینی ہے تو جو عمومی عطیات کی رقم کیش میں موجود ہے اس کو مخصوص مقصد کی رقم اور جو بینک میں مخصوص مقصد کی رقم ہے اس کو عمومی عطیات کی رقم شمار کر کے کیش میں رقم کی ادائیگی کی جاسکتی ہے؟ رہنمائی فرمائیں۔

الجواب: حکومت نے جب سے کیش لیس (Cash

Less) سسٹم نافذ کیا ہے تب سے احکام میں کچھ تغیر آیا ہے، بعض امور میں تو شے کی حقیقت بدلی ہے اور توسیع بھی ہوئی ہے اور بعض امور میں صرف صُوری تبدیلی یا توسیع آئی ہے۔

درپیش مسائل کا تعلق صُوری تبدیلی اور توسیع سے ہے۔

(1)- حیلہ شدہ رقم اپنے پاس ہو اور صدقۂ نافلہ کی رقم بینک میں، تو یہ اجازت ہے کہ حیلہ شدہ رقم صدقۂ نافلہ والے مد میں اس نیت کے ساتھ صرف کر لیں کہ اس کے بدلے بینک میں جمع صدقۂ نافلہ کی رقم لے لیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(2)- بینک میں صدقۂ واجبہ کی رقم جمع ہے اور اپنے پاس صدقۂ نافلہ کی رقم پہلے سے یا فی الحال موجود ہے تو اس کے ذریعے بینک میں جمع صدقۂ واجبہ کا حیلہ کرانا جائز ہے مثلاً فقیر سے یوں کہیں:

"فلاں بینک کے کھاتہ نمبر۔۔۔۔ میں صدقات واجبہ کے مثلاً: پانچ لاکھ روپیے مختلف اصحابِ خیر کے دیے ہوئے موجود ہیں ان روپیوں کے بدلے میں نے تمھیں یہ پانچ لاکھ روپیے دیے، تم اس کے مالک ہو۔ ساتھ ہی فقیر کے ہاتھ میں وہ روپیے دے دیں۔ اور اگر یہ روپے کم ہوں مثلاً ایک لاکھ، تو پانچ بار یہ عمل اسی رقم سے کیا جائے۔ بعد تملیک وہ پوری رقم مدرسہ کے لیے واپس کر دیں۔ حیلۂ شرعی ہو گیا۔

حیلہ کے لیے صدقۂ نافلہ سے لی گئی یہ رقم شرعاً قرض ہے تو اس کی ادائیگی اسی محل میں ضروری ہے لہٰذا جہاں سے وہ روپیے لیے تھے وہیں پھر محفوظ کر دیں۔

پہلی صورت میں بھی جو رقم حیلہ شدہ روپیے سے لی گئی ہے وہ شرعاً قرض ہی ہے لہٰذا اس کی ادائیگی بھی اس کے بدلے والی رقم سے ضروری ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(3) -تیسری صورت بھی اسی طور پر جائز و درست ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(4)-اگر مدرسہ کے پاس ایسی کوئی نافلہ رقم موجود نہ ہو تو کسی صاحبِ خیر سے حسب حاجت روپیے قرض لے کر تملیک فقیر کر دیں اور جب وہ واپس کرے تو صاحبِ خیر کو وہ روپیے دے کر اس کا قرض ادا کر دیں۔

(5) -موجودہ حالات میں اب عموماً اس مرحلے سے گزرنا ناگزیر ہے اس لیے مناسب یہ ہے کہ خاص حیلہ کی غرض سے بقدر کفایت روپیے چندہ کر کے مدرسہ کے فنڈ میں محفوظ رکھیں اور جب حیلہ کی ضرورت پیش آئے تو اسی روپے سے حیلہ کر کے وہ روپیے اس کے فنڈ میں محفوظ کر لیں۔

اب ہم کچھ فقہی جزئیات نقل کرتے ہیں جن سے ان تمام صورتوں کا جواز ثابت ہوتا ہے:

● در مختار میں ہے:

"ولو تصدق بدراهم نفسه أجزأ إن كان على نية الرجوع ، وكان دراهم المؤكل قائمة."

اس کے تحت رد المحتار میں ہے:

"فيه اشارة إلى أنه لا يشترط الدفع من عين مال الزكاة ولذا لو أمر غيره بالدفع عنه جاز."

(رد المحتار علی الدر المختار ج: 3، ص: 189، کتاب الزکاۃ، مطلب فی زکاۃ ثمن المبیع وفاء- دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان)

● رد المحتار میں ہے:

"الوكيل بدفع الزكاة إذا أمسك دراهم الموكل ودفع من ماله ليرجع ببدلها في دراهم الموكل صح، بخلاف ما اذا أنفقها أولا على نفسه مثلا ثم دفع من ماله فهو متبرع."

(رد المحتار علی الدر المختار ج: 3، ص: 189، کتاب الزکاۃ، مطلب فی زکاۃ ثمن المبیع وفاء- دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان)

● البحر الرائق شرح کنز الدقائق میں متن کی عبارت: "لا إلى بناء مسجد وتكفين ميت وقضاء دينه و شراء قن يعتق" کے تحت ہے: (باقی ص:20پر)

شواہد و نتائج

فتاوی رضویہ رسالہ منیر العین کی عبارت کی تصحیح

لفظ حسنِ صحیح یا حسّن صحیح؟

برسوں سے چلے آنے والی غلطی کا ازالہ

سید حدیر الحسن شاہ

مبسملا و حامدا و مصلیا و مسلما

محقق و کتب اسلامیہ پر نظر عمیق رکھنے والے پر یہ بات مخفی نہیں کہ شروع سے کاتبوں نے کتابوں میں اتنی اتنی کتابت کی غلطیاں کی ہیں کہ جس کا اندازہ ہی نہیں بلفظ دیگر لا تعد ولا تحصیٰ

اسی وجہ سے محقق کتاب کے دیگر نسخوں میں اوراق گردانی کرنے پر مضطر ہو جاتا ہے۔

اور بعض اوقات محقق سر پکڑ کر بیٹھ جاتا ہے کہ ایسا عظیم الشان اور متبحر عالم دین کیا اس طرح کی صریح فاش غلطی کر سکتا ہے!

حاشا و کلاّ۔ نسخوں میں تبدیلی بعض اوقات معاندین کی جانب سے دسیسہ کاری کے سبب واقع ہوتی ہے مثلاً فقہ اکبر، الفوز الکبیر، روح المعانی، شیخ اکبر و شاہ ولی اللہ کی تصانیف میں اور بعض محققین کے مطابق غنیۃ الطالبین و سبع سنابل شریف میں۔

بسا اوقات خود مصنف کی جانب سے تسامح واقع ہوتا ہے کہ ایک قول کو نقل کیا پھر متاخرین کی بیس کتب متفق ہوتی ہیں حالاں کہ وہ قول مبنی بر خطا ہوتا ہے پہلے ناقل سے غلطی ہوتی ہے۔

اس کی تین، چار مثالیں علامہ شامی علیہ الرحمہ نے "شرح عقود رسم المفتی" میں بیان کی ہیں فمن شاء التفصیل فلیطالع ثمۃً.

بسا اوقات کاتب کی عدم توجہ کی وجہ سے اسکی کئی نظائر کتب فقہ وغیرہ میں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ جیسے ماضی قریب میں فقہ حنفی کی عظیم الشان کتاب بہار شریعت میں ناشرین کی حرکتوں کی وجہ سے کثیر اغلاط موجود تھیں حتی کہ ایک نسخے کے تین حصوں میں 626 اغلاط دیکھنے کو ملی کما صرح الفقیہ الملت والدین علیہ الرحمہ، الحمد للہ عزوجل مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام اہل سنت امام احمد رضا خان فاضلِ بریلی قدس سرہ العزیز کا فتاویٰ "العطایا النبویة فی الفتاویٰ رضویة" اس طرح کی اغلاط سے اب بہت حد تک مصؤن (محفوظ) ہے، اور کیوں نہ ہو کہ جن عظیم علمائے کرام کی زیر نگرانی اس کی طباعت کا کام ہوا ان سرپرستی مفتی اعظم پاکستان مفتی عبد القیوم ہزاروی علیہ الرحمہ جیسی معتمد و مستند شخصیت نے کی ہے۔

جس زمانہ سے فقیر قادری عفی عنہ فتاویٰ رضویہ شریف کا مطالعہ کر رہا ہے آج تک کبھی کتابت تک کی بھی غلطی نظر سے نہ گزری، لیکن حیرت و تعجب ہوا کہ جب فقیر نے فتاوی رضویہ کا رسالہ "منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین" میں امام اہل سنت کی بیان کردہ حکم وضع سے متعلقہ علامات و اسباب کو پڑھا کہ جس میں ایک علامتِ وضع "حسنِ صحیح" کو بیان کیا گیا۔ (فتاویٰ رضویہ جلد 5 صفحہ 460)

علم اصول حدیث میں گہری نظر رکھنے والے شخص پر یہ بات مخفی نہیں کہ ایک روایت جب کسی "صحیح" روایت کے خلاف آئے تو زیادہ سے زیادہ شاذ ہو کر ضعیف بنتی ہے موضوع ہرگز نہیں۔

اسی مضمون کو امام اہل سنت اس رسالہ میں تواتراً (مسلسل) ثابت فرما رہے ہیں کہ روایت مدرج، منقطع، متروک، معلل، منکر، مضطرب بھی ہو جائے لیکن وہ موضوع نہیں کہلائی گی اس کو موضوع کہنا ظلم و جزاف ہے۔

+92 3021041877

پھر کیوں کر ایسا ہو سکتا ہے کہ امام اہل سنت جیسی شخصیت روایت کے شاذ ہو جانے کو علامتِ وضع بیان کرے حاشا وکلاّ۔

اور اس سے بھی زیادہ حیرت تب ہوئی کہ جب میں نے فتاوی رضویہ کے پاکستان میں پرانے نسخوں کو دیکھا تو دار اہل السنۃ کراچی سے 22 جلدوں میں طبع ہونے والے میں اور فتاوی رضویہ قدیم جو 12 مجلدات پر مشتمل ہے ان سب میں یہی لفظ (حسن صحیح) درج تھا۔

انڈیا میں رضا اکیڈمی ممبئ اور محقق شدہ فتاویٰ رضویہ امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف سے شائع ہوا اس میں بھی "حسن صحیح" موجود ہے۔ یعنی فتاویٰ رضویہ کے نسخوں کا تفاوت بھی نہ تھا۔

پھر آخر یہ کیا لفظ ہے؟ تو غور و تفکر کے بعد فقیر قادری اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ لفظ "حسنِ صحیح" نہیں بلکہ "حِسّ صحیح" ہی ہے۔

علما نے "حِس" کو بھی ایک سبب علم بیان کیا ہے علامہ ابو البرکات محمد نسفی علیہ الرحمہ نے "عقائد نسفی" میں حواس کو بھی ایک سبب علم بیان کیا۔ (شرح عقائد نسفیہ صفحہ 74)

یہی لفظ محدثین کے کلام سے مطابقت رکھتا ہے اس کا مفہوم اس مقام پر انسب ہے۔ اختصار کے پیش نظر چند حوالہ جات درج ذیل ہیں۔ امام ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ نے قرینہ وضع بیان فرمایا: "ویلتحق به ما یدفعه الحس والمشاهدة."

(النکت علی کتاب ابن صلاح جلد 2 صفحہ 845)

"أَنَّ مِنْ جُمْلَةِ دَلَائِلِ الْوَضْعِ أَنْ يَكُونَ مُخَالِفًا لِلْعَقْلِ، بِحَيْثُ لَا يَقْبَلُ التَّأْوِيلَ، وَيَلْتَحِقَ بِهِ مَا يَدْفَعُهُ الْحِسُّ وَالْمُشَاهَدَةُ." (تدریب الراوی جلد 1 صفحہ 325)

"أو يكون مما يدفعه الحِسُّ والمُشاهَدَة، أو مُبَايِنًا لنصّ الكتاب، أو السنَّة المتواترة، أو الإِجماع القطعي، أو يتضمَّن الإِفْراطَ بالوعيد الشديد على الأمر اليسير، أو بالوعد العظيم على الفعل اليسير، وهذا الأخير كثير موجود في حديث القُصَّاص."

(فتح المغیث جلد 1 صفحہ 314، 315)

تیسیر مصطلح الحدیث میں قرائن وضع بیان کرتے ہوئے بیان کیا گیا: "قرينة في المروي: مثل كون الحديث ركيك اللفظ او مخالفا الحس او صريح القرآن."

(تیسیر مصطلح الحدیث صفحہ 65)

بڑے شواہد: امام اہلسنت علیہ الرحمہ کا یہی رسالہ "منير العين في حكم تقبيل الابهامين" آپ علیہ الرحمہ کی حیات طیبہ میں مطبع گلزار حسینی واقع ممبئ سے شائع ہوا اس میں "حِس صحیح" ہی موجود ہے، اور دوسرے مقام پر موضوعیت کے اثبات کے قرائن کو بیان فرماتے ہوئے "حِس" کو بیان فرمایا۔

ملاحظہ کیجئے: اقول: وسعيد وان اتهم فالمحقق عند المحققين ان الوضع لايثبت بمجرد تفرد كذاب فضلًا عن متهم مالم ينضم اليه شئى من القرائن الحاكمة به كمخالفة نصٍ او اجماع قطعيين او الحِس او اقرار المواضع بوضعهٖ الى غير ذٰلك كما نص عليه السخاوى فى فتح المغيث واثبتنا عليه عرش التحقيق فى "منير العين فى حكم تقبيل الابهامين واجمع العلماء ان ضعيف غير الموضوع يعمل به فى الفضائل وقد بيناه فى "الهاد الكاف فى حكم الضعاف."

میں کہتا ہوں سعید اگرچہ متہم ہے مگر محققین کے نزدیک یہ بات ثابت ہے کہ بیشک وضع حدیث محض ایک کذاب کے تفرد سے ثابت نہیں ہوتا چہ جائیکہ متہم سے ثابت ہو جب تک اس کے ساتھ قرائن وضع منضم نہ ہوں، جیسے نص قطعی کی مخالفت اور اجماع قطعی کی مخالفت اور حِس کی مخالفت اور خود واضع کا اقرار وغیرہ، جیسا کہ امام سخاوی نے فتح المغیث میں اس پر نص فرمائی ہے، اور ہم نے "منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین" میں اس کی تحقیق کو حد کمال تک پہنچایا ہے۔ اس بات پر علما کا اجماع ہے کہ جو حدیث ضعیف موضوع نہ ہو وہ فضائل میں قابل عمل ہے اور ہم اس کو "الهاد الكاف فى حكم الضعاف" میں بیان کیا ہے۔

(فتاوی رضویہ جلد 30 صفحہ 561)

رسالہ منیر العین کی تعریب جو تاج الشریعہ علیہ الرحمہ نے فرمائی اس میں بھی "صحیح الحس" موجود ہے۔(منیر العین عربی صفحہ 68)

فقیہ اعظم ہند مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ "نزھۃ القاری شرح صحیح البخاری" کے مقدمہ میں امام اہلسنت علیہ الرحمہ کے اس مقام پر اقتباس ذکر فرماتے ہوئے "حسن صحیح" کی جگہ "حس صحیح" ہی بیان فرمایا۔(نزھۃ القاری جلد 1 مقدمہ صفحہ 88)

علامہ صدر الوری مصباحی دامت برکاتہم العالیہ کے رسالہ "اصول جرح و تعدیل" میں بھی جہاں امام اہلسنت علیہ الرحمہ کے بیان کردہ علامات و اسباب وضع بیان کیے وہاں انھوں نے "حسن صحیح" کی جگہ "حِس صحیح" بیان کیا ہے۔

(اصول جرح وتعدیل صفحہ 150)

علامہ احمد رضا شامی دامت برکاتہم العالیہ نے اس مقام کو ذکر کرتے ہوئے "صحیح الحس" بیان کیا۔

(منحۃ النظر علی شرح نخبۃ الفکر صفحہ 167)

محقق اہل سنت مفتی حسان عطاری صاحب دام ظلہ العالی نے اپنی کتاب "التحقيق المعتمد في رواية الكذاب ودرجات السند" میں "حس صحيح" بیان کیا۔
(التحقیق المعتمد صفحہ 82)

اور یہی درست ہے۔یقیناً کاتب نے حسن اور حِس میں فرق کی طرف توجہ کیے بغیر "حسن" اور "حس" میں شدت مشابہت کی وجہ سے یہ سمجھا کہ "حس" میں نون کا نقطہ بھی ہے اس کے نقطہ کو شامل کر کے اسے "حسن" بنا دیا مگر اس نقطے نے سارا مفہوم اور مرادِ مصنف کو فاسد کر دیا۔

بعض حضرات نے لفظ "حسن صحیح" کو "حُسنِ صحیح" بیان کیا لفظ کی تصحیح مانے بغیر "حُسنِ صحیح" بنا دینا کئی اعتبار سے غلط ہے۔

اوّلاً امام اہلسنت کی حیات طیبہ میں شائع نسخہ میں "حس صحیح" ہی درج ہے۔

ثانیاً: خود مصنف کی صراحت دوسرے مقام پر موجود ہے

ثالثاً: لفظ "حِس" کو "حُسنِ" بیان کرنا منہج محدثین سے موافقت نہیں رکھتا کما لا یخفی۔

رابعاً لفظ "حِس" کو "حُسنِ" بیان کرنا توجیه القول بما لا یرضی قائله کی قبیل سے ہے جو کہ درست نہیں

خامساً: لفظِ حِس کو حُسن بیان کرنا بے جا تاویل و تدقیق میں پڑنا ہے اور مبتدی کو ذہنی مشقت میں ڈالنا ہے۔

سادساً: بعینہ اس مقام کو معتبر و مستند علما نے ذکر اپنی کتابوں میں "حِس صحیح" کیساتھ ذکر فرمایا۔

محصلِ کلام: اس ساری گفتگو کا خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہمارے ہاں قدیم و جدید فتاویٰ رضویہ سب میں اس مقام پر "حسن صحیح" موجود ہے جو کہ ایک واضح غلطی ہے کما صرحت بفضل الله عزوجل و بعون رسوله ﷺ.

لہذا اہل علم حضرات اس پر متوجہ ہوں اور اپنے پاس موجود فتاویٰ رضویہ شریف میں اس کی تصحیح کر لیں۔

آئندہ ایڈیشن میں تصحیح: اس موضوع پر فقیر قادری کئی علما سے گفتگو کر چکا ہے بعض سے ڈیڑھ گھنٹہ علمی گفتگو کے بعد یہی طے پایا کہ یہ کتابت کی غلطی ہی ہے۔رضا فاؤنڈیشن والوں کو اپنے طور پر مطلع کر چکا ہوں انکا کہنا ہے کہ ان شاء اللہ عزوجل آئندہ ایڈیشن تصحیح کیساتھ شائع ہوگا۔

رضا اکیڈمی بمبئی اور ارادہ امام احمد رضا کے سربراہ مفتی حنیف صاحب کو بالواسطہ یہ پیغام پہنچا چکا ہوں امید ہے ہند میں بھی آنے والے ایڈیشنز میں تصحیح ہو جائے گی۔ان شاء اللہ عزوجل

باقی وہ علمائے کرام و مفتیان عظام جنھوں نے اپنی کتابوں اور فتاویٰ میں اس مقام کو بغیر تصحیح کے نقل کیا ہے وہ بھی آئندہ اس کی تصحیح کر لیجے۔وَمَا عَلَيَّ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ

فاحفظ تحفظ وتحظى من الرشد باوفى حظ.

(اسے یاد رکھو گے تو محفوظ رہو گے اور ہدایت سے بھرپور حصہ پاؤ گے۔)

تمت بالخير بحمد الله عزوجل و بعون رسوله صلى الله عليه وسلم

▪▪▪▪▪

فکر امروز

مدارس کا خاموش المیہ

محمد اشفاق عالم امجدی

تعلیم ...... محض کتب بینی یا سبق خوانی نہیں بلکہ نسلوں کی فکری، روحانی اور اخلاقی تعمیر کا وہ نازک مرحلہ ہے جس سے امت کا مستقبل استوار ہوتا ہے۔ استاد محض معلّم نہیں بلکہ رہبر، معمار اور مشعل بردار ہوتا ہے۔ شاگرد صرف قاری یا حافظ نہیں بلکہ وہ چراغ ہے جسے علم کے روغن سے جلنا ہے اور بصیرت کی روشنی پھیلانی ہے—لیکن سوال یہ ہے؛ کیا آج ہمارے مدارس میں یہ چراغ روشن ہو رہے ہیں؟

اس فکری اضطراب کی چنگاری اُس وقت بھڑکی جب نازشِ فکر و فن ماہر شعر و سخن، مولانا جسیم اکرم مرکزی کی مختصر مگر گہری تحریر "آگے پڑھو گے، پیچھے پڑھ آئے ہو" نظروں سے گزری۔ ماشاءاللہ! موصوف نے سادہ مگر پُر تاثیر انداز میں ایک گہرے المیے کی نشان دہی کی، جسے پڑھ کر احساسات میں ہلچل مچ گئی اور قلم بے ساختہ حرکت میں آ گیا۔۔۔

یہ المیہ کیا ہے؟ یہ ہے تعلیمی تضاد—"آگے پڑھو گے" اور "پیچھے پڑھ آئے ہو" جیسا ایک خاموش مگر زہریلا رویہ، جو طلبہ کی علمی پرواز کو پَروں سے محروم کر دیتا ہے۔

جب ایک ذہین طالب علم اعدادیہ تا رابعہ میں سوال کرتا ہے؛ "حضرت! یہاں ایسا کیوں ہے؟ اس کی بنیاد کیا ہے؟"

تو جواب آتا ہے: "ابھی چھوڑو، آگے پڑھ لو گے!"

اور جب وہی طالب علم خامسہ تا ثامنہ میں دوبارہ سوال کرتا ہے؛ "یہ ترکیب کیوں یوں ہے؟ یہ قاعدہ کیا مطلب رکھتا ہے؟" تو کہا جاتا ہے: "یہ سب تو تم پیچھے پڑھ آئے ہو!"

تو اب وہ طالب علم کہاں جائے؟ کب سوال کرے؟ کب سمجھے؟ اور کب علم میں پختگی پائے؟ یہی وہ لمحہ ہوتا ہے جب ایک جستجو رکھنے والا ذہن ٹوٹ جاتا ہے، دل بجھ جاتا ہے، اور علم سے رغبت دم توڑ دیتی ہے۔ حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ... سوال کرنا جرم نہیں، علم کی پہلی سیڑھی ہے! جیسا کہ کہا گیا: "العِلمُ باب مُقفَل مِفتاحه المسئلة" یعنی علم ایک بند دروازہ ہے اور سوال کرنا اس کی چابی ہے۔ معلم کائنات کا فرمان عالیشان "شِفَاءُ العِيِّ السُّؤَالُ" یعنی جہالت کا علاج سوال ہے۔

ایک موقع پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا؛ "آپ نے اتنا علم کیسے حاصل کیا؟" فرمایا؛ "بلسانٍ سَؤُولٍ و قلبٍ عقولٍ" یعنی سوال کرنے والی زبان اور سمجھ دار دل کے ذریعے۔ حضرت امام اصمعی رحمہ اللہ نے اپنے علمی کمال کی وجہ پوچھی گئی تو فرمایا؛ "بكثرةِ سؤالي و تلقفي الحكمة الشّرود" یعنی سوالات کی کثرت اور حکمتوں کو پُوری توجہ سے اخذ کرنے کی بدولت۔ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا؛ "لا يَتعلَّم العلم مستحْي ولا مستكْبر" علم وہ نہیں حاصل کر سکتا جو شرمائے یا تکبر کرے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں؛ "جن باتوں کے بارے میں سوال کرنے سے شرمایا، ان سے آج بھی نا آشنا ہوں!" حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں؛ "زيادةُ العلم الابتغاءُ و دركُ العلم السؤالُ، فَتَعلَّمْ ما جَهِلتَ و اعمَلْ بما عَلِمتَ"۔ علم میں اضافہ طلب سے ہوتا ہے، اور مہارت سوال سے حاصل ہوتی ہے؛ لہٰذا جو نہیں جانتے ہو، سیکھو—اور جو جانتے ہو، اس پر عمل کرو۔

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا فرمان ہے؛ "العِلمُ خَزائنُ و مفتاحُه السُّؤال، فسَلُوا يرحمكم الله..." "علم

پچھاری آباد پور کٹیہار (بہار)-7866936010

خزانہ ہے اور سوال اس کی چابی؛ سوال کرو، اللہ تم پر رحم کرے؛ اس سے چار لوگ اجر پاتے ہیں: سوال کرنے والا، جواب دینے والا، سننے والا، اور محبت کرنے والا۔ مگر افسوس! ہمارے تعلیمی ماحول میں سوال کو شک کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ استاد اگر سوال سنتا ہے تو چہرے پر ناگواری، لہجے میں طنز یا جواب میں بے زاری ہوتی ہے۔

حاصل؟ چار سال "آگے پڑھ لو گے" میں ضائع... چار سال "پیچھے پڑھ آئے ہو" کے طعنے میں تباہ... اور ایک سال "اب کیا کریں؟" کے سوال میں گم... یعنی نو (9) سال کا فکری جمود!۔۔۔ ذمہ داری کس کی؟ اساتذہ کی؟ نظامِ مدارس کی؟ طلبہ کی؟ حقیقت یہ ہے کہ ہر ایک اپنی جگہ پر جواب دہ ہے۔

اگر اساتذہ وارثینِ انبیا ہیں تو محض متون کی تدریس نہ کریں بلکہ اذہان کی آبیاری کریں، سوالات کو خوش دلی سے قبول کریں، تحقیق کی فضا قائم کریں، اور محبت سے رہنمائی کریں۔

اگر طلبہ کو جواب نہ ملے تو مایوس نہ ہوں! سوال کرنا نہ چھوڑیں، تلاش کو جاری رکھیں، اور علم کا دروازہ خود بند نہ کریں۔

کیونکہ: "جس نے سوال چھوڑا، اس نے علم کا دروازہ خود بند کیا!" ——— آئیے ہم سب یہ عہد کریں کہ ہم اس روشنی کو بجھنے نہ دیں! اب وقت ہے کہ ہم خاموش المیوں پر خاموشی توڑ دیں — اور مدارس کو فکر کا قافلہ، اور تعلیم کو تحقیق کا سفر بنا دیں۔ کیوں کہ سوال زندہ رہے گا تو شعور زندہ رہے گا، اور شعور زندہ رہے گا تو دین و علم کی راہیں کبھی تاریک نہ ہوں گی۔

خدائے متعال حضور معلم کائنات کے صدقے ہمارے اساتذہ کو تحقیق کا ذوق، طلبہ کو سوال کی جرأت، اور نظامِ تعلیم کو بصیرت و حکمت عطا فرمائے۔ ہمیں ایسا فکری ماحول نصیب ہو جہاں سوال دبایا نہ جائے بلکہ پروان چڑھایا جائے، جہاں علم رٹنے کا نہیں، سمجھنے کا نام ہو — اور جہاں "آگے پڑھو گے" اور "پیچھے پڑھ آئے ہو" کا تضاد ختم ہو کر "اب سمجھو، سوال کرو، اور آگے بڑھو" کا ماحول بن جائے ——— ■

(ص:15 کا بقیہ) "والحيلة في الجواز في هذه الأربعة أن يتصدق بمقدار زكاته على فقير ثم يأمر بعد ذلك بالصرف إلى هذه الوجوه فيكون لصاحب المال ثواب الزكاة وللفقير ثواب هذه القرب- كذا في المحيط." (البحر الرائق، ج:2، ص:424، کتاب الزکاۃ، باب المصرف، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

ان جزئیات کی ترجمانی بہار شریعت میں اس طرح ہے:

☆ زکاۃ کا روپیہ مُردہ کی تجہیز و تکفین یا مسجد کی تعمیر میں نہیں صرف کر سکتے کہ تملیک فقیر نہیں پائی گئی اور ان امور میں صرف کرنا چاہیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ فقیر کو مالک کر دیں اور وہ صرف کرے اور ثواب دونوں کو ہوگا، بلکہ حدیث میں آیا: "اگر سو ہاتھوں میں صدقہ گزرا تو سب کو ویسا ہی ثواب ملے گا جیسا دینے والے کے لیے اور اس کے اجر میں کچھ کمی نہ ہوگی۔" (ردالمحتار)

☆ زکاۃ دینے والے نے وکیل کو زکاۃ کا روپیہ دیا وکیل نے اُسے رکھ لیا اور اپنا روپیہ زکاۃ میں دے دیا تو جائز ہے، اگر یہ نیّت ہو کہ اس کے عوض مؤکل کا روپیہ لے لے گا۔

اور اگر وکیل نے پہلے اس روپیہ کو خود خرچ کر ڈالا، بعد کو اپنا روپیہ زکاۃ میں دیا تو زکاۃ ادا نہ ہوئی، بلکہ یہ تبرع ہے اور مؤکل کو تاوان دے گا۔ (در مختار، ردالمحتار)

☆ زکاۃ ادا کرنے میں یہ ضرور ہے کہ جسے دیں مالک بنا دیں اباحت کافی نہیں، لہٰذا مالِ زکاۃ مسجد میں صَرف کرنا یا اُس سے میّت کو کفن دینا یا میّت کا دَین ادا کرنا یا غلام آزاد کرنا، پُل، سرا، سقایہ، سڑک بنوا دینا، نہر یا کوآں کھدوا دینا ان افعال میں خرچ کرنا یا کتاب وغیرہ کوئی چیز خرید کر وقف کر دینا ناکافی ہے۔ (جوہرہ، تنویر، عالمگیری)

یہ ہماری شریعت کا کمال ہے کہ جو صورت مسئلہ آج کے دور میں جنم لے رہی ہے اس کا حکم کتبِ شریعت کے جزئیات میں سیکڑوں سال پہلے سے ہی مضمر و موجود ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

■■■

شعاعیں

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بحیثیت معلم

محمد آصف اقبال مدنی

قرآن میں فروغ علم اور بعثت نبوی:

جہالت کے اندھیروں سے بھری اس دنیا میں علم وآگہی کی شمعیں جلانے، طالبان حق کو معرفت وحقیقت کے جام پلانے اور بھٹکتی انسانیت کو اپنے خالق کا پتا بتانے کے لیے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم معلم کائنات بن کر تشریف لائے، آپ کی تشریف آوری کا ایک عظیم مقصد علم کی روشنی پھیلانا بھی تھا، قرآن وسنت میں اِس مقصد بعثت کی صراحت موجود ہے، چناں چہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۚ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ. (پ4،ال عمران:154)

بیشک اللہ نے ایمان والوں پر بڑا احسان فرمایا جب ان میں ایک رسول مَبعوث فرمایا جو انھی میں سے ہے۔ وہ ان کے سامنے اللہ کی آیتیں تلاوت فرماتا ہے اور انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اگرچہ یہ لوگ اس سے پہلے یقیناً کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

پہلی وحی بھی تعلیم کی اہمیت کو خوب واضح کرتی ہے:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۚ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ۝ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ۝ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝ؕ (پ30،العلق:1تا5)

پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا آدمی کو خون کی پھٹک سے بنایا پڑھو اور تمھارا رب ہی سب سے بڑا کریم جس نے قلم سے لکھنا سکھایا آدمی کو سکھایا جو نہ جانتا تھا۔

حدیث میں فروغ علم اور بعثت نبوی:

کثیر احادیث کریمہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معلم واستاد ہونے بیان کرتی ہیں، چناں چہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ایک حجرہ مبارکہ سے باہر آئے، پھر مسجد شریف میں داخل ہوئے، وہاں دو حلقے ملاحظہ فرمائے، ایک حلقے والے قرآن پاک پڑھ رہے تھے اور اللہ پاک سے دعا کر رہے تھے جب کہ دوسرے حلقے والے علم سیکھ اور سکھا رہے تھے، یہ دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كل على خير هؤلاء يقرءون القرآن ويدعون الله، فإن شاء اعطاهم، وإن شاء منعهم، وهؤلاء يتعلمون، وإنما بعثت معلما.

یعنی یہ دونوں حلقے بھلائی پر ہیں، یہ والے قرآن پاک پڑھتے اور اللہ پاک سے دعا کر رہے ہیں، پس اگر اللہ پاک چاہے تو انھیں عطا فرمائے اور چاہے تو منع کر دے اور یہ دوسرے والے علم سیکھ رہے ہیں اور میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ یہ فرما کر سیکھنے سکھانے والوں کے ساتھ بیٹھ گئے۔ (سنن ابن ماجہ، حدیث:229)

معیاری علم کون سا ہے؟

واضح رہے کہ علم کی اہمیت مسلم ہے مگر معیاری اور غیر

asifraza2526@gmail.com

معیاری علم کون سا ہے؟ اس کا تعین ہر ایک اپنے ذوق، ضرورت اور فہم وفراست کے حساب سے کرتا ہے مگر معلم کائنات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معیاری علم اُسے قرار دیا جو نفع بخش ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہے: ہم ایسے علم سے اللہ پاک کی پناہ مانگتے ہیں جو نفع نہ دے۔ (صحیح مسلم، حدیث:2722)

لہٰذا جس بھی علم کو نفع بخش ہونے کے معیار پر جانچا جائے گا وہ نقصان وہلاکت خیزی سے لازماً محفوظ رہے گا۔

قابلیت (Skills) بڑھانے کی موجودہ ڈگر میں اگر ہر شخص نیت کی درستی کے ساتھ اس معیاری علم کو اپنا لے تو مفاد پرستی کا خاتمہ ہوگا اور معاشرہ نیک سیرت وہمدرد افراد سے بھر جائے گا۔ معیاری علم سکھانے، پڑھانے اور سمجھانے میں حضور جان رحمت، معلم کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلیمی اصول، تربیت و درس کے انداز و طریقے بھی بڑے شاندار ولاجواب اور قابل تحسین ولائق اتباع ہیں، ذیل میں ہم بعض کو بیان کرتے ہیں۔

علم سکھانے کے مقصد کی لگن:

مقصد میں کامیابی کے لیے اُس کی لگن و چاہت بڑا کردار ادا کرتی ہے، استقامت بجائے خود ایک کرامت ہے، استقلال وہمت کامیابی کی بنیادی سیڑھی ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم حکم الٰہی کے مطابق اپنے مقصد کے حصول تعلیمات الٰہی سے افراد کو روشناس کروانے میں ہمہ وقت مصروف رہتے، کبھی پیچھے نہ ہٹے۔ دین ودنیا کے علوم سکھانے کے عظیم مقصد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لگن بڑی مثالی تھی، بڑی سے بڑی مشکل بھی راہ میں حائل نہ ہو سکی۔ واقعۂ طائف ہو، شعب ابی طالب میں محصوری ہو، ظلم وستم کی آندھیاں ہوں یا مشرکین کی مال ودولت کی پیشکش ہو، کوئی شے بھی معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے سد راہ نہ ہو سکی۔

جاں سوزی اور درد مندی:

میر کارواں کے لیے نگاہ کی بلندی، سخن کی دلنوازی کے ساتھ ساتھ جان کی پر سوزی و درمندی انتہائی اہم ہے، حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کو گمراہی سے نکالنے، انھیں راہ حق پر چلانے اور ان کی تعلیم وتربیت کے لیے شب و روز دل گداز کیفیت میں گذارتے رہے۔ اِس سمجھنے کے لیے یہ حدیث شریف ہماری رہنمائی کرتی ہے۔ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے آگ جلائی اور جب اُس آگ نے اِرد گرد کی جگہ کو روشن کر دیا تو اس میں پتنگے اور حشراتُ الارض گرنے لگے، وہ شخص ان کو آگ میں گرنے سے روکتا ہے اور وہ اس پر غالب آکر آگ میں دھڑا دھڑ گر رہے ہیں، پس یہ میری مثال اور تمھاری مثال ہے، میں تمھاری کمر پکڑ کر تمھیں جہنّم میں جانے سے روک رہا ہوں اور کہہ رہا ہوں کہ جہنّم کے پاس سے ہٹ جاؤ! جہنّم کے پاس سے ہٹ جاؤ! اور تم لوگ میری بات نہ مان کر (پتنگوں کے آگ میں گرنے کی طرح) جہنّم میں گرے چلے جا رہے ہو۔

(صحیح مسلم، ص965، حدیث:5957)

بات سمجھانے کی کامل مہارت:

دوسروں کو سکھانے کے لیے یہ مہارت بے حد ضروری ہے کہ سکھانے والا بات سمجھانے کی پوری صلاحیت رکھتا ہو اور تفہیم کے جملہ تقاضوں سے آگاہ ہو۔ اس تعلق سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت میں مہارت بدرجۂ کمال موجود تھی، اول سے آخر تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو نہایت صاف ہوتی، جامع گفتگو فرماتے یعنی الفاظ کم مگر پر تاثیر ہوتے، آپ کو جوامع الکلم کی خصوصیت عطا کی گئی تھی یعنی آپ کثیر مفہوم ومعانی کو چند لفظوں میں سمجھا دیتے۔

حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا جنھوں نے بڑے شاندار طریقے سے حسن وجمال مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کو بیان کیا ہے، وہ فرماتی ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم شیریں کلام اور واضح بیان تھے، نہ کم گو تھے اور نہ زیادہ گو تھے اور گفتگو ایسی تھی جیسے موتی

کے دانے پرو دیے گئے ہوں۔ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات میں فصاحت وبلاغت واضح تھی، آپ ٹھہر ٹھہر کر گفتگو فرماتے ،اگر کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ شمار کرنا چاہتا تو کر سکتا تھا۔

افہام وتفہیم میں نرم رویہ:

تعلیم وتربیت میں نرم رویہ تیر بہدف کام کرتا ہے، کیوں کہ نرمی فلاح و کامیابی کی ضمانت فراہم کرتی ہے، سختی سے وہ مقاصد حاصل نہیں ہوپاتے جو نرمی کے ساتھ سمجھانے سے حاصل ہوتے ہیں۔ رحمت کونین صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی نرم دل تھے، سوائے محارم الہیہ وحدود شرع کے سختی نہیں فرماتے ہیں، پیار سے سمجھاتے ،ڈانٹ ڈپٹ نہ کرتے، مجسم رافت ورحمت تھے۔

اللہ پاک فرماتا ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۪ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَ شَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِیْنَ ○(پ4،ال عمران:159)

تو کیسی کچھ اللہ کی مہربانی ہے کہ اے محبوب تم ان کے لیے نرم دل ہوئے اور اگر تند مزاج سخت دل ہوتے تو وہ ضرور تمھارے گرد سے پریشان ہوجاتے تو تم انھیں معاف فرماؤ اور ان کی شفاعت کرو اور کاموں میں ان سے مشورہ لو اور جو کسی بات کا ارادہ پکا کرلو تو اللہ پر بھروسا کرو بے شک توکل والے اللہ کو پیارے ہیں۔

حضور اکرم، ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دینے کا ایسا عملی انداز عطا فرمایا ہے کہ جس میں نہ ڈانٹ ڈپٹ ہے اور نہ ہی جھڑکیاں اور مار دھاڑ ہے۔ شواہد کے طور پر کثیر احادیث مبارکہ پیش کی جاتی ہے، سر دست ایک روایت ملاحظہ فرمائیے۔ چناں چہ حضرت مُعاویہ بن حکم سُلمی رضی اللہ عنہ نماز ادا فرمارہے تھے، دورانِ نماز کسی کو چھینک آگئی ، حضرت معاویہ بن حکم نے ”یَرْحَمُكَ الله“ کہا تو اردگرد موجود نمازیوں کو تشویش ہوئی اور اپنے انداز سے آپ کو اس چیز کا احساس دلا دیا، نماز سے فراغت کے بعد معلم کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اپنے پاس بلایا اِس موقع پر آپ فرماتے ہیں: میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اور آپ کے بعد آپ سے بڑھ کر سکھانے والا نہیں دیکھا، اللہ پاک کی قسم! نہ تو آپ نے مجھے جھڑکا، نہ مارا اور نہ ڈانٹا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اِس نماز میں لوگوں کی بات قبول کرنے کی صلاحیت نہیں ہے ، نماز تو تسبیح و تکبیر اور قراءتِ قرآن کا نام ہے۔(صحیح مسلم، حدیث:537)

مخاطب کی ذہنی صلاحیت اوراحوال کاخیال:

سکھانے کے عمل میں مخاطب کی ذہنی صلاحیت اور ذاتی احوال کا خیال رکھنا بھی بہتر نتائج فراہم کرتا ہے، لوگوں مختلف خیالات اور طبیعتوں کے حامل ہوتے ہیں، معلم کو اس کا دھیان رکھنا ناگزیر ہے، کتب احادیث وسیرت بتاتی ہیں کہ تعلیم وتدریس اور تفہیم وترغیب اور سوالات کے جوابات دینے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مخاطب کی ذہنی صلاحیت اور مزاج کا پورا لحاظ رکھتے، سامنے والے کی وسعت ظرفی اور عملی حیثیت کے دیکھ کر بات کرتے۔ بچوں، جوانوں اور بوڑھوں کی سوچ سمجھ کے مطابق معاملہ فرماتے اور یہی وجہ ہے کہ معلم کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے سائلین و مخاطبین کی عملی کیفیات کو دیکھتے ہوئے مختلف مواقع پر مختلف چیزوں کو افضل بتایا، جس میں جو کمی محسوس کی اُسے حکمت کے ساتھ اُسی بات کی ترغیب ارشاد فرمائی۔ کسی کو فرمایا افضل عمل ذکر ہے، کبھی بتایا افضل شے رات کی نماز ہے، کسی کے لیے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا افضل ارشاد ہوا اور کسی کو نماز کا افضل ہونا بتایا۔

ماتحتوں پر انفرادی توجہ:

تعلیم وتربیت میں اپنے ماتحتوں، شاگردوں اور مریدوں کو انفرادی توجہ دینے کی بھی بڑی اہمیت ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام کو نام لے کر بلاتے، کبھی محبت والا نام رکھتے جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کو حمیرا اور عائش وغیرہ کہنا، کسی کو ابوتراب، ابوہریرہ وغیرہ کے القابات وکنیتوں سے نوازا، بعض افراد کی انفرادی خصوصیت کا اعتراف کیا، ان کی تحسین فرمائی اور ان کے فضائل بیان کیے۔ یہ ایسے امور ہیں جو سکھانے اور سیکھنے والے کے درمیان اپنائیت کو جنم دیتے ہیں۔ یوں ہی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنائیت وتعلق کی مضبوطی اور تعلیم وتعلم کے عمل کو تام کرنے کے لیے کبھی کبھی حضرات صحابۂ کرام سے شائستہ انداز میں مزاح بھی فرماتے، فرحت وانبساط پیدا کرنے کے لیے پُر لطف جملے کہتے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: یا ذا الأذنین یعنی اے دو کانوں والے۔

(سنن ابوداؤد، حدیث: 4349)

نیز آپ ہی بیان کرتے ہیں: رسول دوجہان ﷺ ہمارے ساتھ بڑے پیار سے اور گھل مل کر رہتے تھے حتی کہ میرے چھوٹے بھائی سے فرماتے: یا أبا عمیر ما فعل النغیر اے ابوعمیر! تمھارے بلبل کو کیا ہوا۔(صحیح بخاری، حدیث: 5778)

قول وفعل میں مطابقت:

قول وفعل کا تضاد بڑے بڑوں کو لائق اتباع نہیں رہنے دیتا، اُس سے سیکھنے والے بھی اُسے اپنے قلوب واذہان میں جگہ نہیں دیتے اور ایسے معلم کی بات میں تاثیر نہیں رہتی۔ لہذا معلم واستاد کو باعمل وباکردار ہونا چاہیے، اس کے افعال اس کے اقوال کی تصدیق کریں۔ اس معاملے میں بھی حضور معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت بے داغ ہے، آپ کے قول وفعل کی یکسانیت ویگانگت کی گواہی دشمن بھی صادق وامین کہہ کر دیتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی میں قول وفعل میں تضاد کی ایک بھی مثال نہیں ملتی لہذا استاد کو اپنی بات اور عمل میں تضاد سے ہمیشہ بچنا چاہیے۔

آسانی پہنچانا، مشکل سے بچانا:

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یسروا ولا تعسروا وبشروا ولا تنفروا یعنی آسانی پیدا کرو، تنگی نہ کرو، خوش خبری دو، نفرت پیدا نہ کرو۔(صحیح بخاری، حدیث: 6125)

ایک روایت میں ”وَسَكِّنُوْا“ کے الفاظ ہیں یعنی سکون پہنچاؤ۔

اساتذہ کو چاہیے کہ طلبہ پر آسانی کریں، تنگی نہ کریں، ایسا کام نہ کریں کہ وہ آپ سے بدظن ومتنفر ہوں۔ حضور معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم سیکھنے والوں پر آسانی کے لیے مختلف طریقے اپناتے، اپنی گفتگو میں مثالیں دیتے، نقشوں سے سمجھاتے، واقعات سناتے اور کبھی پہلی نما سوال بھی پوچھتے وغیرہ وغیرہ۔

(1) مثال سے سمجھانا:

اچھے اور برے ہم نشین کی مثال یوں دی، فرماتے ہیں: نیک اور بُرے ہم نشین کی مثال ایسی ہے جیسے ایک کے پاس مشک ہے اور دوسرا دھونکنی دھونک رہا ہے، مشک والا یا تو تمھیں مشک ویسے ہی دے گا یا تو اس سے خرید لے گا اور کچھ نہ سہی تو خوشبو تو آئے گی اور وہ دوسرا تمھارا بدن یا کپڑے جلا دے گا یا تو اس سے بدبو پائے گا۔(صحیح بخاری، حدیث: 2101)

(2) نقشہ بنا کر سمجھانا:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صراط مستقیم اور اللہ پاک کے راستے کو سمجھانے کے لیے سیدھی لکیر کھینچی اور شیطان کے راستوں کو بتانے کے لیے اُس لکیر کے دائیں بائیں

لکیریں بنائیں۔ چناں چہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

خط لنا رسول الله صلى الله عليه و سلم خطا ثم قال هذا سبيل الله ثم خط خطوطا عن يمينه وعن شماله ثم قال هذه سبل قال يزيد متفرقة على كل سبيل منها شيطان يدعو إليه ثم قرأ " اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيۡ مُسۡتَقِيۡمًا فَاتَّبِعُوۡهُ ۚ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمۡ عَنۡ سَبِيۡلِهٖ ○(الانعام:153)

ترجمہ: رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے ایک لکیر کھینچی اور فرمایا: یہ اللہ کا راستہ ہے، پھر آپ نے اُس لکیر کے دائیں بائیں کچھ اور لکیریں کھینچیں اور فرمایا: یہ شیطان کے راستے ہیں جن کے لیے وہ لوگوں کو بلاتا رہتا ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی : اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيۡ مُسۡتَقِيۡمًا فَاتَّبِعُوۡهُ ۚ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمۡ عَنۡ سَبِيۡلِهٖ ○اور یہ کہ یہ ہے میرا سیدھا راستہ تو اس پر چلو اور اور راہیں نہ چلو کہ تمھیں اس کی راہ سے جدا کردیں گی۔

(مسند احمد بن حنبل، حدیث:4142)

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: یوں ہی ایک بار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیے مربع شکل میں ایک لکیر کھینچی۔ اس کے درمیان بھی ایک لکیر کھینچی، پھر اس کے گرد کئی لکیریں کھینچیں اور ایک لکیر کھینچی جو اس مربع سے باہر جا رہی تھی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو یہ کیا ہے؟ ہم نے عرض کی: اللہ پاک اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے درمیان والی لکیر کے بارے میں فرمایا کہ یہ انسان ہے اور مربع لکیر کے بارے میں فرمایا کہ یہ موت ہے جو اسے گھیرے ہوئے ہے اور یہ درمیان والی لکیریں مصائب ہیں جو اس کو نوچتے ہیں اگر ایک سے بچ جائے تو دوسرے کے ہتھے چڑھ جاتا ہے اور باہر نکلنے والی لکیر کے بارے میں فرمایا کہ یہ امید ہے۔(صحیح بخاری، حدیث: 6471)

(3)واقعات سناکر سمجھانا:

قرآن مجید کے انداز پر حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی لوگوں کو گذشتہ اقوام وافراد کے واقعات سناکر سمجھاتے تھے، جیسے کتے کو پانی پلانے والے کی بخشش کا واقعہ کہ ایک شخص نے کنویں سے خود پانی پیا، پھر دیکھا کہ کتا پیاس سے کیچڑ چاٹ رہا ہے تو اُسے بھی پانی پلایا، اللہ پاک کو اُس کا عمل پسند آیا اور اُس کی بخشش فرمادی، صحابۂ کرام نے عرض کی: یارسول اللہ! کیا چوپایوں میں بھی ہمارے لیے اجر وثواب ہے، ارشاد فرمایا: فِيْ كُلِّ كَبِدٍ رَطْبَةٍ أَجْرٌ یعنی ترجگر (ذی روح) میں ثواب ہے۔

(صحیح بخاری، حدیث:6009)

اور یوں ہی بلی کو باندھ کر مارنے والی عورت کی سزا کا واقعہ، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک عورت ایک بلی کے معاملہ میں جہنم کے اندر داخل کی گئی۔ اس نے ایک بلی کو باندھ رکھا تھا، نہ اس کو کچھ کھلایا پلایا نہ اس کو چھوڑا کہ وہ کیڑے مکوڑوں کو کھاتی یہاں تک کہ وہ مرگئی۔

(صحیح بخاری، حدیث:3318)

(4)سوال پوچھ کر سمجھانا:

معلم کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کبھی حاضرین سے کوئی سوال پوچھ کر بھی سمجھاتے تھے۔ مثال کے طور پر ایک بار رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام سے پوچھا: ایک درخت ہے جس کے پتے نہیں گرتے، ہمیشہ ہی پھل دیتا ہے اور وہ مسلمان مرد کے مُشابہ ہوتا ہے، بتاؤ! وہ کون سا درخت ہے؟ لوگ اس بارے میں سوچنے لگ گئے، کچھ دیر بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ کوئی بھی جواب نہیں دے رہا تو آپ نے خود ہی فرمایا: وہ کھجور کا درخت ہے۔(صحیح بخاری، حدیث:4698)

▫▫▫▫▫

شعاعیں

صلح کرانے کی فضیلت واہمیت

محمد کامران رضا گجراتی

اسلام امن، محبت، بھائی چارے اور صلح و آشتی کا درس دیتا ہے۔ قرآن و حدیث میں بارہا مسلمانوں کو آپس میں محبت اور اتفاق سے رہنے، ایک دوسرے کے ساتھ خیر خواہی اور حسنِ سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ مگر افسوس! آج کے دور میں مسلمان ان روشن تعلیمات کو بھول بیٹھے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا دشمن بن چکا ہے۔ رشتہ داروں میں نااتفاقی، بھائیوں میں عداوت، خاندانوں میں نفرت، اور دلوں میں کینہ و بغض نے جگہ بنالی ہے۔ اسلام ہمیں سکھاتا ہے کہ اگر دوستوں، بھائیوں، رشتہ داروں یا خاندانوں کے درمیان نااتفاقی ہو جائے، تو ہمیں ان کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

قرآن و حدیث میں کئی مقامات پر صلح کروانے کی فضیلت اور اس کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ مسلمان بھائیوں کے درمیان لڑائی، جھگڑے اور نفرتوں کو ختم کرنے کے لیے ان میں صلح کرائیں اور اس عظیم عمل کے ذریعے اللہ کا قرب اور ثواب حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے۔

وَاِنْ طَآىٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَاۚ (پارہ:26، آیت:9)

ترجمہ کنزالایمان: اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑیں تو ان میں صلح کراؤ۔

خزائن العرفان میں ہے: نبی کریم ﷺ دراز گوش پر سوار تھے تشریف لے جا رہے تھے، انصار کی مجلس پر گزر ہوا، وہاں تھوڑا سا توقف فرمایا، اس جگہ دراز گوش نے پیشاب کیا تو ابن ابی نے ناک بند کر لی۔ حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ کے دراز گوش کا پیشاب تیرے مشک سے بہتر خوشبو رکھتا ہے، حضور ﷺ تو تشریف لے گئے ان دونوں میں بات بڑھ گئی اور ان دونوں کی قومیں آپس میں لڑ گئیں اور ہاتھ پائی تک نوبت پہنچی تو سید عالم ﷺ واپس تشریف لائے اور ان میں صلح کرادی، اس معاملہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (صلح کروانے کے فضائل، صفحہ:3)

اسی طرح ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْكُمْ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ (پارہ:26، آیت:10)

ترجمہ: مسلمان، مسلمان بھائی ہیں تو اپنے دو بھائیوں میں صلح کرو اور اللہ سے ڈرو کہ تم پر رحمت ہو۔

مفتی قاسم قادری، "تفسیر صراط الجنان" میں اس آیتِ کریمہ کے تحت، تفسیر خازن کے حوالے سے فرماتے ہیں:

مسلمان تو آپس میں بھائی بھائی ہی ہیں کیوں کہ یہ آپس میں دینی تعلق اور اسلامی محبت کے ساتھ مَربوط ہیں اور یہ رشتہ تمام دُنیوی رشتوں سے مضبوط تر ہے۔ لہٰذا جب کبھی دو بھائیوں میں جھگڑا واقع ہو تو ان میں صلح کرادو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو تاکہ تم پر رحمت ہو کیوں کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور پرہیزگاری اختیار کرنا ایمان والوں کی باہمی محبت اور اُلفت کا سبب ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوتی ہے۔ (تفسیر خازن، الحجرات، آیت:10، ج:4، ص:168)

چند احادیث رسول ﷺ ملاحظہ فرمائیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ ہمارے درمیان جلوہ افروز تھے۔ ہم نے دیکھا کہ آپ ﷺ مسکرانے لگے یہاں تک کہ آپ کے سامنے والے دندان مبارک ظاہر ہو گئے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! آپ پر میرے ماں

درجہ خامسہ، جامعۃ المدینہ فیضان اولیاء احمد آباد گجرات

باپ قربان آپ ﷺ کس سبب سے مسکرائے ؟ تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری امت کے دو لوگ اللہ تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ میں گھٹنوں کے بل گر پڑے ان میں سے ایک نے عرض کی : اے رب ! مجھے میرے بھائی سے ظلم کا بدلہ دلا تو اللہ پاک فرمائے گا: تو اپنے بھائی سے کیا لے گا حالانکہ اس کے پاس کوئی نیکی باقی نہیں !تو وہ عرض کرے گا: اے رب !میرے گناہوں کا بوجھ اس پر ڈال دے !اتنا فرما کر نبی کریم ﷺ کے آنکھوں میں آنسوؤں آگئے۔ پھر فرمایا: بے شک وہ عظیم دن ہے کہ لوگ چاہیں گے کہ ان کے گناہوں کا بوجھ ان سے اٹھا دیا جائے تو اللہ تبارک و تعالیٰ اس بدلہ طلب کرنے والے سے فرمائے گا: اپنی نگاہ کو اٹھا کر دیکھ وہ عرض کرے گا اے رب میں سونے اور چاندی کے شہر دیکھتا ہوں جو موتیوں سے آراستہ ہے یہ شہر کس نبی یا صدیق یا شہید کے لیے ہے ؟ تو اللہ پاک فرمائے گا یہ اس کے لیے ہے جو اس کی قیمت ادا کرے تو وہ عرض کرے گا اے رب اس کی طاقت کون رکھتا ہے ؟ اللہ پاک فرمائے گا تو اس کی طاقت رکھتا ہے وہ عرض کرے گا اس کی قیمت کیا ہے اللہ فرمائے گا کہ تو اپنے بھائی کو معاف فرمائے وہ عرض کرے گا اے رب میں نے اس کو معاف کر دیا تو اللہ فرمائے گا کہ اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑ اور اس کو جنت میں داخل کر دے تو رسول اللہ ﷺ نے اس وقت فرمایا اللہ سے ڈرو اور باہمی صلح کرلو تو بے شک اللہ قیامت کے دن مسلمانوں کے درمیان صلح فرمائے گا۔

(شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ۔ ج:12، ص:354)

حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان عالی شان ہے : میں نے جنت میں سونے، موتی، یاقوت اور زبرجد کے محلات دیکھے جن کا باہر اندر سے اور اندر باہر سے دکھائی دیتا ہے۔ میں نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا: ”یہ محلات وٹھکانے کس کے لیے ہیں؟“ تو انھوں نے عرض کی: ”اس شخص کے لیے جو صلہ رحمی کرے، سلام کو عام کرے، نرمی سے گفتگو کرے، یتیموں پر نرمی کرے اور رات کو جب لوگ سو جائیں تو وہ نماز پڑھے “۔

(نیکیوں کی جزائیں اور گناہوں کی سزائیں، ص:98)

حضرت سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور پر نور ﷺ کا فرمان فضیلت نشان ہے: " کیا میں تمھیں روزہ، نماز اور صدقہ سے افضل عمل نہ بتاؤں ؟ صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ ضرور بتائیے، ارشاد فرمایا: وہ عمل جو آپس میں روٹھنے والوں میں صلح کرا دیتا ہے، کیوں کہ روٹھنے والوں میں ہونے والا فساد خیر کو کاٹ دیتا ہے۔

(سنن ابوداود، کتاب الادب، ج:4، ص:325، حدیث4919)

مولانا روم فرماتے ہیں:

ترجمہ :تو جوڑ پیدا کرنے کے لیے آیا ہے، تو توڑ پیدا کرنے کے لیے نہیں آیا۔(مثنوی مولوی معنوی ج:2، ص:173)

حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کا فرمان مغفرت نشان ہے: جو شخص لوگوں کے درمیان صلح کرائے گا اللہ تعالیٰ اس کا معاملہ درست فرما دے گا اور اسے ہر کلمہ بولنے پر ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب عطا فرمائے گا اور جب وہ لوٹے گا تو اپنے پچھلے گناہوں سے مغفرت یافتہ ہو کر لوٹے گا۔(الترغیب والترہیب، ج:3، ص:321، حدیث:9)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا میں تمھیں ایسے عمل کے بارے میں نہ بتاؤں جسے اللہ اور اس کا رسول پسند کرتے ہیں؟ وہ یہ ہے کہ جب لوگ ایک دوسرے سے ناراض ہو کر روٹھ جائیں تو ان میں صلح کروا دو۔(الترغیب والترہیب، ج:3، ص:321، حدیث:8)

حضرت سیدتنا اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: تین باتوں کے سوا جھوٹ بولنا جائز نہیں، خاوند اپنی بیوی کو راضی کرنے کے لیے کوئی بات کہے، جنگ کے موقع پر جھوٹ بولنا اور لوگوں کے درمیان صلح کرانے کے لیے جھوٹ بولنا۔ (ترمذی، ج:3، ص:388، حدیث:1945)

صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

تین صورتوں میں جھوٹ بولنا جائز ہے یعنی اس میں گناہ نہیں۔ تین میں سے ایک یہ بھی ہے کہ دو مسلمانوں میں اختلاف ہے اور یہ ان دونوں میں صلح کرانا چاہتا ہے مثلاً ایک کے سامنے یہ کہہ دے کہ وہ تمھیں اچھا جانتا ہے، تمھاری تعریف کرتا تھا یا اس

نے تمھیں سلام کہلا بھیجا ہے اور دوسرے کے پاس بھی اسی قسم کی باتیں کرے تاکہ دونوں میں عداوت کم ہو جائے اور صلح ہو جائے۔ (بہار شریعت، ج:3، حصہ:16، ص:518)

روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جو چاہے کہ اس کے رزق میں وسعت دی جاوے اور اس کی موت میں دیر کی جاوے تو وہ صلہ رحمی کرے۔ (صحیح البخاری، کتاب الادب، ج:4، ص:97، حدیث:5986)

اس حدیث پاک کے تحت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: کہ موت میں دیر لگانے سے مراد ہے عمر دراز دینا یعنی جو رزق میں برکت عمر میں درازی چاہے وہ رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرے۔ خیال رہے کہ تقدیر تین قسم کی ہے: مبرم، معلق، مشابہ مبرم، تقدیر مبرم میں کمی و بیشی ناممکن ہے مگر باقی دو تقدیروں میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ دعا نیک اعمال سے عمر بڑھ جانے اور بد دعا بد عمل سے عمر گھٹ جانے کا یہ ہی مقصد ہے کہ آخری دو قسم کی عمریں گھٹ بڑھ جاتی ہیں۔

(مرآۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، ج:6، حدیث:4918)

ہماری پاکیزہ شریعت نے دو مسلمانوں کے درمیان صلح کرانے کے لیے جھوٹ بولنے کی بھی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ مسلمانوں کے درمیان صلح کروائیں، اختلافات کو ختم کریں، اور محبت والفت کے ساتھ مل جل کر رہیں۔ اب آئیے! قطع تعلق کے انجام سے متعلق ایک حکایت سنتے ہیں۔

قطع تعلق کی سزا: حضرت فقیہ ابو اللیث سمرقندی علیہ الرحمہ "تنبیہ الغافلین" میں نقل کرتے ہیں، حضرت یحییٰ بن سلیم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مکہ مکرمہ میں ایک نیک شخص خراسان کا رہنے والا تھا، لوگ اس کے پاس اپنی امانتیں رکھتے تھے، ایک شخص اس کے پاس دس ہزار اشرفیاں امانت رکھوا کر اپنی کسی ضرورت سے سفر میں چلا گیا، جب وہ واپس آیا تو خراسانی فوت ہو چکا تھا، اس کے اہل و عیال سے اپنی امانت کا حال پوچھا: تو انھوں نے لاعلمی ظاہر کی، امانت رکھنے والے نے علمائے مکہ مکرمہ سے پوچھا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے؟ انھوں نے کہا: "ہم امید کرتے ہیں کہ وہ خراسانی جنتی ہوگا، تم ایسا کرو کہ آدھی یا تہائی رات گزرنے کے بعد زمزم کے کنویں پر جا کر اُس کا نام لے کر آواز دینا اور اُس سے پوچھنا۔ اس نے تین راتیں ایسا ہی کیا، وہاں سے کوئی جواب نہ ملا، اُس نے پھر جا کر ان علمائے کرام کو بتایا، انھوں نے "إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُون" پڑھ کر کہا: "ہمیں ڈر ہے کہ وہ شاید جنتی نہ ہو تم یمن چلے جاؤ وہاں برہوت نامی وادی میں ایک کنواں ہے، اس پر پہنچ کر اسی طرح آواز دو، اس نے ایسا ہی کیا تو پہلی ہی آواز میں جواب ملا کہ میں نے اس کو گھر میں فلاں جگہ دفن کیا ہے اور میں نے اپنے گھر والوں کے پاس بھی امانت کو نہیں رکھا، میرے لڑکے کے پاس جاؤ اور اس جگہ کو کھودو تمھیں مل جائے گا چناں چہ اس نے ایسا ہی کیا اور مال مل گیا۔ میں نے اس سے دریافت کیا کہ تو تو بہت نیک آدمی تھا تو یہاں پہنچ گیا؟ وہ بولا: میرے کچھ رشتے دار خراسان میں تھے جن سے میں نے قطع تعلق (یعنی رشتہ توڑ رکھا تھا) کر رکھا تھا اسی حالت میں میری موت آگئی اس سبب سے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے مجھے یہ سزا دی اور اس مقام پر پہنچا دیا۔ (تنبیہ الغافلین، ص:72، ملخصًا)

صلح کس طرح کروائیں؟

اے عاشقان رسول! ہمیں بھی چاہیے کہ ان فضائل کو حاصل کرنے کے لیے روٹھنے والے مسلمانوں میں صلح کروا دیا کریں۔ صلح کروانے سے پہلے اللہ پاک کی بارگاہ میں دعا کریں، پھر لڑنے والوں کو الگ الگ بٹھا کر ان کی باتیں سنیں، پھر نرمی سے صلح کرنے کے فضائل بیان کریں اور آپسی جھگڑے اور اختلافات کے دینی و دنیوی نقصانات بیان کریں، پھر دونوں کو آمنے سامنے بٹھا کر آپس میں صلح کروا دیں۔ ان آیات واحادیث سے مسلمانوں کے درمیان صلح کروانے کی فضیلت و اہمیت معلوم ہوئی لہٰذا جب کبھی مسلمانوں میں ناراضی ہو جائے تو ان کے درمیان صلح کروا کر یہ فضائل و کمالات حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ "اور سمجھاؤ کہ سمجھانا مسلمانوں کو فائدہ دیتا ہے۔"

اللہ تعالیٰ ہم سب کو مسلمانوں کے درمیان صلح کروانے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ ■

انوار حیات

علامہ ارشد القادری

اور تحفظ عقائدِ اہلِ سنت

مولانا محمد عبد المبین نعمانی قادری

علامہ ارشد القادری کی قربانیاں تحفظ عقائد اہلِ سنت کے تعلق سے: فروغ دین کے تعلق سے فکر مندی اور احساس ذمہ داری ایک ایسا قیمتی سرمایہ ہے جو ہر کسی کو نہیں ملتا، یہ سرمایہ جس کی قسمت میں آتا ہے وہ قسمت کا دھنی ہوتا ہے۔ مبلغ اہلِ سنت، رئیس القلم، قائدِ ملت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ (متوفی 1423ھ/2002ء) اس دولت سے سرفراز تھے انھوں نے استاذ العلما حافظِ ملت حضرت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی علیہ الرحمہ سے سن رکھا تھا "احساس ذمہ داری سب سے قیمتی سرمایہ ہے" کیوں کہ حافظِ ملت علیہ الرحمہ اپنے اس قول کو تلامذہ کے درمیان بار بار دہرایا کرتے تھے یہ الگ بات ہے کسی نے سنا اور کسی نے سن کر بھی نہیں سنا۔ حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ نے یہ قول سنا اور دل میں بیٹھایا اور اس کی روشنی میں اپنے کاروانِ حیات کو چلایا اور خوب چلایا، تدریس، تعمیر، تبلیغ اور تصنیف و تالیف ہر میدان میں آپ نے نمایاں خدمات انجام دیں، حضور حافظِ ملت نے مبارک پور میں قدم رکھتے ہی وہاں کے حالات کا جائزہ لیا، درس و تدریس کے فرائض کی انجام دہی کے ساتھ جب وہاں کے بدمذہبوں نے آپ کو اکھاڑنا چاہا تو آپ ان کے مقابلے میں ڈٹ گئے، مہینوں سوال و جواب کی مجالس چلتی رہیں۔ بالآخر مقابل کو میدان چھوڑ کر بھاگنا پڑا، حضور حافظِ ملت ہمہ جہت صلاحیتوں کے مالک تھے باطل کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، یہ کارنامہ ایسا تھا کہ اس کے سبب مبارک پور ہی نہیں قرب و جوار میں بھی چاروں طرف آپ کے علم و فضل کا چرچا ہونے لگا اور ہر طرف سے اہلِ ایمان حافظِ ملت سے استفادے کے لیے آنے لگے، طالبانِ علومِ اسلامیہ کا قافلہ بھی ہر چہار جانب سے آپ کی بارگاہ میں اترنے لگا، دھیرے دھیرے حافظِ ملت کی درس گاہ ملک کی بڑی درس گاہوں میں شمار کی جانے لگی۔

حالات کے پیشِ نظر حافظ ملت علیہ الرحمہ نے عوام کو حق و باطل سے روشناس کرانے کے لیے "المصباح الجدید" نامی کتاب تصنیف کی جو مختصر ہونے کے ساتھ بڑی جامع اور مؤثر ہے جس میں اٹھائیس سوالوں کے مدلل جواب ہیں، اور ہر جواب علماے دیوبند کی کتابوں کے حوالے سے دیے گئے ہیں۔ اس کتاب کے جواب میں پھر بدعقیدوں نے ایک کتاب اکاذیب کا پلندہ لکھا اور بظاہر یہ بتایا کہ المصباح الجدید کی باتیں قابلِ اعتبار نہیں۔ حافظ ملت نے ہر جواب حوالوں کی روشنی میں دیا تھا، صفحات کے نمبر بھی دے دیے تھے، کتاب تو لاجواب تھی مگر باطل پرستوں کو اپنے طور پر لوگوں کو گمراہ کرنا تھا اس لیے جواب کی طرح ڈالی مگر جواب نہ دے سکے، حافظِ ملت علیہ الرحمہ نے دیکھا کہ اس جھوٹ کے پلندے سے کہیں عوام الناس کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائیں اس لیے جواب الجواب کے لیے تیار ہوئے اور "العذاب الشدید" کے نام سے ایک ذرا ضخیم کتاب لکھی اور مخالف کے اکاذیب کا پردہ فاش کیا اور المصباح الجدید کے حقائق کو اجاگر کر کے غلط فہمی کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیے۔ جس کا جواب مخالف کیمپ سے آج تک نہ ہو سکا۔ الحمد للہ! "المصباح الجدید" لاکھوں کی تعداد میں چھپ کر ایمان و عقیدے کے تحفظ کا عظیم کارنامہ انجام دے رہی ہے جب کہ "العذاب الشدید" بھی کئی بار شائع ہو چکی ہے اور لاجواب ہے۔

حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ حضور حافظِ

المجمع الاسلامی، مبارک پور، اعظم گڑھ (یوپی) Mob: 9838189592

ملت علیہ الرحمہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے انھوں نے حافظِ ملت کے کارناموں کو دیکھا ان کی تدریس سے استفادہ کرنے کے ساتھ ان کے قیمتی نصائح اور اقوال حکمت کو بھی کانوں سے سنا پھر کیا تھا فراغت کے بعد ہر میدان میں اپنی جدوجہد کا گھوڑا دوڑانے لگے، قلمی میدان میں بھی اپنی انفرادیت کا لوہا منوا لیا۔ چناں چہ درس و تدریس کے ساتھ کئی کتابیں بھی تصنیف کیں اور انھیں منظر عام پر لائے، جن میں:

(1) تبلیغی جماعت حقائق کے اُجالے میں۔

(2) جماعت مودودی، حقائق کی روشنی میں۔

(3) زلزلہ، جس نے ایوان باطل میں زلزلہ برپا کر دیا، یہاں تک کہ حریف جماعت کے بعض دانشوروں نے بھی اس کتاب کو سراہا اور لاجواب قرار دیا۔

(4) پھر اس کتاب کے جواب میں کئی کتابیں مخالف کیمپ سے منظرِ عام پر آئیں تو آپ نے "زیر و زبر" کے نام سے سب کا مسکت اور تحقیقی جواب قلم بند فرمایا، جس سے اہلِ باطل کے حلقوں میں سناٹا چھا گیا، اور آج تک اس کا کوئی جواب کہیں سے نہیں آسکا۔

(5) شریعت، ایک کتاب "شریعت یا جہالت" لکھی گئی، جس نے اپنے حوالہ جاتی مواد کے پیشِ نظر لوگوں کے ذہن کو خراب کرنے کی کوشش کی تو حضرت علامہ نے "شریعت" نامی کتاب لکھ کر "شریعت یا جہالت" کے مصنف کی جہالتوں کا پردہ فاش کیا اور اس مختصر کتاب نے اس ضخیم کتاب کا ایک اچھا جواب فراہم کر دیا۔

(6) "تعزیرات قلم" کے نام سے آپ کے مناظرانہ طرز تحریر اور تنقیدی بصیرت کے غماز مضامین کا ایک نہایت ہی قیمتی مجموعہ بھی منظر عام پر آ گیا ہے جو مختلف اخبارات و رسائل کے لایعنی اعتراضات کے جواب پر مشتمل ہے۔

تحفظ عقائدِ اہلِ سنت کے ضمن میں علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کے یہ وہ کارنامے ہیں جو قلمی شکل میں منظرِ عام پر آئے۔ اس کے علاوہ "مناظرِ اہلِ سنت" کی حیثیت سے زبانی اور تقریری مناظروں کی ایک لمبی روداد ہے جس نے حضرت علامہ کی صلاحیتوں کو اجاگر کیا اور جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ سنت کے تحفظِ عقائد کے لیے اور عوام الناس کو گمراہیوں سے بچانے کے لیے آپ نے پوری فکر مندی اور ذمے داری کا ثبوت دیا ہے۔ آخر عمر میں مطالعہ بریلویت کا جواب لکھنا بھی شروع کیا تھا مگر عمر نے فرصت نہیں دی اور چند صفحات لکھ کر اس جہانِ فانی سے رخصت ہو گئے۔ یہ چند صفحات بھی جو سو کے قریب ہیں چھپ جاتے تو بہت بہتر ہوتا۔ صاحب زادگان سے میری گزارش ہے کہ اس قلمی سرمائے کو بھی منظرِ عام لانے کی کوشش کریں۔ اس تردیدی مضمون کو قلم بند کرنے کے وقت قائدِ اہلِ سنت، مناظرِ اسلام حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کی پوری زندگی "تحفظِ عقائدِ اہلِ سنت" کے لیے فکر مندی سے عبارت تھی۔ آپ نے جو بھی دینی و مسلکی کارنامے انجام دیے سب میں آپ کی یہی فکر کار فرما رہی، "ادارہ شرعیہ بہار" کے قیام کا پس منظر بھی یہی تھا، تاکہ سنی عوام اپنے عائلی مسائل و مشکلات میں ادھر ادھر نہ بھٹکیں، اپنے لوگ اپنے ادارے کی طرف رجوع کریں۔

ملک و بیرون ملک دینی مدارس اور اداروں کا قیام بھی آپ نے اسی مقصد کے تحت کیا۔ "ورلڈ اسلامک مشن" کے نام ایک عالمی تنظیم قائم کی جو یورپ میں آج بھی تبلیغی و دعوتی کام کر رہی ہے، اس کی شاخیں پوری دنیا میں مختلف مقامات پر قائم اور سرگرمِ عمل ہیں۔

"تحریک دعوتِ اسلامی" بھی آپ کی قائم کردہ ایک عالمی تنظیم ہے جو مسلم معاشرے میں دینی تربیت و تبلیغ اور صلاۃ و سنت کے فروغ کے لیے قائم فرمائی، جو الحمد للہ! آج پوری دنیا میں پھیل چکی ہے اور اس تحریک کے امیر و داعی حضرت مولانا محمد الیاس عطار قادری ضیائی دامت برکاتہم العالیہ ہیں اور آپ ہی کی قیادت میں یہ تحریک آج کامیابیوں کی شاہراہ پر گامزن ہے اس کے فروغ اور اس کی کامیابیوں کو دیکھ کر ایک بار حضرت علامہ نے خود مجھ سے فرمایا: "ایک مولانا الیاس قادری نے پوری دنیا میں انقلاب برپا کر دیا ہے۔"

اس تحریک کے قیام کے پیچھے بھی یہی فکر کار فرما تھی کہ

اپنے لوگ صلاۃ و سنت کی تربیت میں اپنے ہی ماحول سے استفادہ کریں، دوسری طرف نظر نہ اٹھائیں۔ اور ہم اپنی ذمہ داری سے بھی سبک دوش ہوں۔

حضرت علامہ نے ناچیز نعمانی کو یاد کیا، میں دو روز اس کام میں معاونت کی غرض سے حضرت علامہ کی خدمت میں رہا، اور جو کچھ بن پڑا وہ کیا، پھر علامہ اپنے جلسوں کے پروگرامات میں نکل گئے اور یہ سلسلہ آگے نہ بڑھ سکا، میری حاضری سے پہلے کچھ لکھا تھا بعد میں بھی لکھا ہوگا کل صفحات کم و بیش سو ہوں گے۔

ملک کے مختلف حصوں میں مدارس کا جال بھی آپ نے اسی مقصد خیر کے تحت بچھایا ہے، بہار کا موجودہ جھار کھنڈ خطہ خاص طور سے آپ کی جدوجہد کا میدان رہا ہے، جہاں دشوار گزار جنگل اور پہاڑی علاقوں میں آپ نے مشکل ترین سفر طے کر کے فروغِ دین اور تحفظِ سنیت کا کام انجام دیا۔ حضرت علامہ کا کام ایسا نہ تھا کہ کسی جلسے میں گئے وہاں پہلے سے سنگ بنیاد کا پروگرام طے تھا جلسہ کیا بنیاد رکھی واپس آکر بانی مدرسہ کی حیثیت سے اپنا نام درج کرا لیا، بلکہ آپ جلسے میں کئی کئی روز پیشتر جانے اور کبھی ضرورت پڑتی تو جلسے کے بعد بھی ٹھہرتے، تعمیر مدرسہ کے لیے زمین ہموار کرتے لوگوں کو مالی قربانی کے لیے تیار کرتے پھر واپس آتے اور کبھی کچھ دنوں کے بعد بھی وہاں جاکر کام کا جائزہ لیتے کمی محسوس کرتے تو لوگوں میں کام آگے بڑھانے کی تحریک پیدا کرتے۔ اور خود چندے وغیرہ میں بھی دلچسپی لیتے۔

حضرت علامہ کی یہی انفرادیت خاص طور سے ہمیں متوجہ کرتی ہے، اپنے علاقوں اور اپنے ماننے والوں میں دین کا کام کرنا اور مدارس کی تعمیر کرانا تو ایک آسان کام ہے مگر کوردہ علاقوں اور دیارِ غیر میں فروغِ مسلکِ اہلِ سنت کے لیے جدوجہد کرنا اور جھنڈا گاڑنا آسان کام نہیں، لیکن حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ نے اس سمت بھی رختِ سفر باندھا ہے اور اپنی جہد وجہد کا لوہا منوایا ہے، مثلاً: سہارن پور کی سرزمین پر جامعہ غوثیہ صابریہ رضویہ کی بنیاد ڈالی اس کی تعمیر کرائی، اس کے لیے کمیٹی کی بھی تشکیل کی۔

ہیگ ہالینڈ میں مدینۃ الاسلام کے نام سے ادارہ قائم کیا۔

دہلی جیسی سنگلاخ زمین پر جامعہ نظام الدین اولیا کے نام سے ایک تربیتی، تعلیمی اور دعوتی ادارہ قائم کیا جہاں فارغ شدہ علما کو دعوت و تبلیغ کی ٹریننگ دی جاتی ہے جس کا فیضان آج ماتھے کی آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے کہ دہلی میں اہلِ سنت کی کئی مساجد تعمیر ہو چکی ہیں اور اہلِ سنت کے کئی مدارس بھی قائم ہو چکے ہیں اور سنیت کا اچھا خاص ماحول بھی بن گیا ہے جہاں سال کے اندر اہلِ سنت کے کئی بڑے اجلاس اور کانفرنسیں بھی منعقد ہو جاتی ہیں۔

ایک خاص بات جسے کم لوگ جانتے ہیں وہ یہ کہ سب سے پہلے دہلی میں حضرت علامہ نے ہی "مکتبہ نامِ نور" قائم کیا پھر اس کے بعد اہلِ سنت کے کتب خانوں کی ایک بہار آگئی اور کئی دوسرے کتب خانے بھی علمائے اہلِ سنت کی کتابیں شائع کرنے لگے، گویا دہلی میں سنیت کی بہار لانے میں سب سے بڑا حصہ حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کا ہے اور دوسرے نمبر پر بانی دارالقلم رئیس التحریر حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی صاحب کا جس کا اعتراف خود علامہ ارشد القادری نے بھی کیا ہے۔ اور یہ دونوں ہی شاگرد ہیں حضور حافظِ ملت علیہ الرحمہ کے اور انھیں کے فکر و فیضان کے امین بھی۔

قائدِ اہلِ سنت حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ ہم میں تھے تو ہم نے ان کی اہمیت نہیں سمجھی آج جب وہ ہم میں نہیں ہیں تو حال یہ ہے کہ چراغ لے کر ڈھونڈیے کوئی علامہ ارشد القادری نہیں ملنے والا ہے، وہ اپنی فکر، اپنا دردو کرب اور منفرد اسلوب نگارش لے کر ہم سے رخصت ہو گئے، البتہ جو کچھ دین کے لیے کر گئے وہ آج ہمارے لیے بہترین نمونے کی شکل میں موجود ہے جو ہمیں ان کی یاد دلا رہا ہے، اور ان کی روش پر چلنے کا پیغام دے رہا ہے۔

"جامعہ حضرت نظام الدین اولیا" حضرت علامہ کے خوابوں کی تعبیر ہے جو عالی شان عمارت کی شکل میں ہماری نگاہوں کے سامنے ہے اور اپنے روشن مستقبل کی طرف رواں دواں۔ ہمیں چاہیے کہ اس کا بھرپور تعاون کریں، اسے اور آگے بڑھنے کے لیے اپنی قربانیاں پیش کریں۔ ■■■

یاد ماضی

اسلامی تاریخ کی اہمیت وافادیت

عبد المنان محمد شفیق

اسلامی تاریخ ایک بہت ہی اہم سماجی علم و فن ہے، اس کا انسانی زندگی میں بہت زبردست کردار ہے ، اور بلا شبہہ مسلمانو کی تاریخ دنیا کی سب سے شاندار و زبردست تاریخ ہے لیکن افسوس کی بات ہے کہ ہم دور حاضر میں اپنی شان دار تاریخ سے غافل ہیں۔ میں یہاں مختصر طور پر اس کی اہمیت و افادیت پر چند نقاط میں روشنی ڈال رہا ہوں، تفصیل کے لیے آپ اسی موضوع پر میرا 29-12-2020ء کا لیکچر سماعت فرما سکتے ہیں جو فیس بک پر ویڈیو کی شکل میں موجود ہے

1- اسلام اور تاریخ کا باہمی تعلق

اسلامی تاریخ کی زبردست اہمیت و افادیت کا پتہ اسی سے چلتا ہے کہ تاریخ اور اسلام کا سدا سے بہت ہی مضبوط ، زبردست و گہرا تعلق رہا ہے۔ اسلام نے تاریخ کو ایک نئی وسعت عطا کی ہے۔ اہل اسلام نے تاریخ کو نئی بلندی و عروج پر پہنچایا ہے۔ ہمارے اسلاف نے تاریخ کو نئی پہچان عطا کی ہے۔ ان کا تاریخ سے بہت ہی گہرا تعلق رہا ہے۔ ابن خلدون فلسفۂ تاریخ کے موجد ہیں۔ اسلامی تاریخ کی بہت ساری انفرادیت و امتیازات ہیں۔ مسلمانو نے تاریخ میں زبردست کارنامے انجام دیے ہیں۔عظیم الشان کتابیں تالیف کی ہیں۔ ہمارے اکثر اسلاف شرعی علوم کے ساتھ تاریخ میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ تاریخ سچ و جھوٹ جاننے کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔ تاریخ کا حدیث سے بہت مضبوط تعلق ہے۔علم جرح و تعدیل دراصل تاریخ ہے۔ لہذا تاریخ کے بغیر حدیث کے صحیح وضعیف کی پہچان ممکن نہیں ہے۔ حدیث کی پوری عمارت ہی تاریخ پر کھڑی ہے۔ تاریخ ہے تو حدیث ہے۔اسلامی تاریخ کا قرآن وحدیث کے علاوہ فقہ سے بھی تعلق ہے،ان سب کی تفصیل لیکچر میں موجود ہے۔

2- تاریخ سے درس و عبرت:

تاریخ کی انسانی زندگی میں اہمیت و افادیت کا پتہ اس سے بھی چلتا ہے کہ وہ عبرت و موعظت اور درس و نصیحت حاصل کرنے کے لیے ہے بلکہ یہ اس کا ایک بہت ہی بڑا فائدہ اور مقصد ہے، اسی وجہ سے اللہ عزوجل نے اپنی مبارک کتاب میں جابجا تاریخی واقعات و حوادث کا تذکرہ کیا ہے۔گذشتہ قوموں کے حالات کو بیان کیا ہے اور اہل اسلام کو خبر دار کیا ہے کہ وہ ان جیسی غلطیوں میں واقع نہ ہوں ۔اتفاق واتحاد کو مضبوطی سے تھام لیں۔باہمی اختلاف اور آپسی خانہ جنگی کے قریب بھی نہ جائیں۔ ہر برے کام سے دور رہیں اور صالح اعمال اپنائیں تاکہ دنیا و آخرت دونوں میں کامیابی و سرخروئی حاصل ہو۔

لیکن کتنی افسوس کی بات ہے کہ ہم مسلمان اپنی تاریخ سے کوئی سبق نہیں لیتے ہیں۔ورنہ آج ہماری یہ بری حالت ہرگز نہ ہوتی۔کیوں کہ تاریخ ہمیں بتلاتی ہے کہ ہم مسلمانو کی آپسی خانہ جنگی و خونریزی کی ایک طویل تاریخ ہے جس نے مسلمانو کو ہر زمانہ و علاقہ میں بہت زبردست نقصان پہنچایا ہے۔ان کو سیاسی، معاشی، تجارتی، تعلیمی، تہذیبی اور فوجی ہر اعتبار سے کمزور کیا ہے۔ان کے بشری و مالی وسائل و ذرائع کو چوس لیا ہے۔اسی پر بس نہیں بلکہ ہمارے دشمن ہمیشہ مسلمانو کی آپسی خانہ جنگی و لڑائیوں سے صرف خوش ہی نہیں ہوتے ہیں بلکہ وہ مختلف حیلوں، بہانوں اور سازشوں کے ذریعہ اس کو مزید بڑھاوا دیتے ہیں ۔اور آگ میں گھی ڈالنے کا کام کرتے ہیں۔اور ہم مسلمان آپس میں کسی نہ کسی وجہ سے -مثلا سلطنت و حکومت کی

خواہش، سیاسی چپقلش، منصب وجاہ کا حصول، مسلکی اختلافات، ملک گیری کی ہوس، مال وزر پر قبضہ، شخصی مفادات وغیرہ۔آپس میں لڑتے ہیں۔ ایک دوسرے کو قتل کرتے رہتے ہیں۔جس سے ہمارا دشمن فائدہ اٹھاتا ہے۔دور سے بیٹھ کے تماشا دیکھتا ہے اور ہم پر ہنستا ہے۔

اے کاش کہ ہم مسلمان اپنی تاریخ سے سبق لیتے اور آپسی خونریزی سے باز رہتے۔

3- علم تاریخ کے فوائد:

علم تاریخ کی اہمیت و افادیت کا پتہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ اس کے فوائد بے شمار ہیں۔تاریخ ایک بیش قیمتی سرمایہ ہے، تاریخ ایک ریکارڈ ہے جو کسی بھی قوم کے کارناموں و خرابیوں کو محفوظ رکھتی ہے۔تاریخ ایک قوم کو دوسرے قوم سے ممتاز کرتی ہے، تاریخ ہر قوم کا شناخت ہوتی ہے، تاریخ میں عبرت و موعظت ہے، کسی بھی قوم کی تاریخ اس قوم کو جینے کا حوصلہ دیتی ہے، مصائب سے ٹکرانے و مشکلات سے نبرد آزما ہونا سکھاتی ہے، نظر و فکر کو جلا بخشتی ہے، سوچ بچار میں گہرائی و گیرائی پیدا کرتی ہے، انسانی تہذیب و تمدن کو آگے بڑھاتی ہے، کسی بھی قوم میں جرات و ہمت پیدا کرتی ہے، دشمن کے سامنے ہر حال میں ڈٹ جانے کا درس دیتی ہے، تاریخ انسانی نسلوں کی تربیت کا ایک بہترین وسیلہ ہے اور بہترین تربیت کرتی ہے۔ماضی کی غلطیوں سے متنبہ کرتی ہے، ہر قوم کا اس کے اسلاف سے رشتہ برقرار رکھتی ہے۔

لہذا جو امت اپنی تاریخ بھول جاتی ہے دنیا میں اس کا وجود باقی نہیں رہتا ہے۔

4- اسلامی تاریخ دشمنوں کے نشانہ پر

اسلامی تاریخ کی اہمیت و افادیت کا پتا اس سے بھی چلتا ہے کہ ہمارے دشمنوں نے اس کو اپنا خصوصی نشانہ بنایا ہے، اور اس کو بدنام کرنے اور بگاڑنے کی لامحدود کوشش کی ہے اور اب بھی کر رہے ہیں۔ان کو یقین ہے کہ اسلامی تاریخ ان کی راہ کا ایک بہت بڑا روڑا ہے، بقول واٹسن: "قرآن اور اسلامی تاریخ یہ دونوں بڑے عظیم خطرے ہیں جن سے عیسائی مشنری کو خوف لاحق ہے"۔

لہذا یہ ایک تلخ حقیقت ہے لیکن سو فیصد درست ہے کہ پوری انسانی تاریخ میں جس قدر اسلام اور مسلم قوم کی تاریخ کو اس کی انسانی زندگی میں زبردست اہمیت و افادیت کے پیش نظر اس کے مختلف دشمنوں کے ذریعہ مسخ کیا گیا ہے۔اس کی صاف و شفاف صورت کو بگاڑا گیا ہے اتنا دیگر کسی قوم و دین کی تاریخ کو مسخ نہیں کیا گیا ہے۔اور یہی اسلام کی صداقت حقانیت کی دلیل ہے۔کیوں کہ حق و صدق کے اکثر لوگ نہ صرف مخالف ہوتے ہیں بلکہ اس کو مٹانے کی پوری کوشش کرتے ہیں۔

علاوہ ازیں تاریخ مثل انسانی دماغ کے ہے۔جس طرح کوئی انسان بغیر دماغ کے زندہ نہیں رہتا ہے اسی طرح کوئی امت بغیر تاریخ کے زندہ نہیں رہتی ہے۔اسی لیے ہمارے دشمنوں نے ہمیشہ اسلامی تاریخ سے ہمارا رشتہ کاٹنے کی کوشش کی ہے۔

آخر میں یہ بھی دھیان رہے کہ ایک مسلمان کے لیے صرف آغاز اسلام یا صحابہ کرام و تابعین وغیرہ کی تاریخ ہی کا جان لینا کافی نہیں ہے بلکہ عصر جدید کی تاریخ کا بھی جاننا از حد ضروری ہے تبھی ہم دشمنان اسلام کی سازشوں سے باخبر رہ سکتے ہیں اور ان کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔

تاریخ کی اسی اہمیت و افادیت کے پیش نظر ہمارے اسلاف نے تاریخ پر بہت زیادہ توجہ دی۔اور اب بھی مسلمان ممالک میں بہت زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔ لیکن افسوس ہے ہمارے برصغیر کے غافل ذمہ داران پر جنھوں نے تاریخ پر بہت زیادہ ظلم ڈھایا ہے۔آج اسلامی مدارس و معاہد و نام نہاد جامعات میں سب سے زیادہ ظلم اگر کسی مادہ پر ہوا ہے تو وہ تاریخ ہے۔ تاریخ سے زیادہ مظلوم اور کوئی مادہ نہیں ہے۔جس کے لیے تاریخ ان کو کبھی معاف نہیں کرے گا۔صحیح ہے فاقد الشیء لا یعطیك۔■■

حفظان صحت

کیا آپ بھی بالوں کے گرنے سے پریشان ہیں؟

ڈاکٹر ام فرح (ایم ڈی)

جس طرح ہماری جلد کی اوپری سطح اور ناخن کی تجدید ہوتی رہتی ہے یعنی پرانی جلد کی جگہ نئی جلد اور پرانے ناخن کی جگہ نیا ناخن لے لیتا ہے۔ اسی طرح ہمارے سر سے اوسطاً 25 سے 100 بال روزانہ گرتے ہیں اور ان کی جگہ نئے بال اُگ آتے ہیں۔

جسم کے خلیے یعنی (cell) مرتے رہتے ہیں اور ان کی جگہ نئے خلیے (cell) پیدا ہوتے رہتے ہیں لیکن اگر جسم کے کسی عضو یا حصے کو بے خبری اور بے توجہی کے ساتھ چھوڑ دیا جائے تو رفتہ رفتہ اس حصے کے بیمار اور نتیجتاً کمزور ہونے کا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔

یہی حال بالوں کا بھی ہے اگر بالوں کو کافی احتیاط سے نہ رکھا جائے تو یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ ادھیڑ عمر کے بعد بھی دراز اور تندرست رہ جائیں گے، چناں چہ ہمیں کچھ ایسی تدابیر اختیار کرنا پڑتی ہیں جو بالوں کی حفاظت کے لیے ضروری ہیں۔ لیکن ان تدابیر سے پہلے ہمیں بعض ایسے عوامل کے بارے میں جان لینا ضروری معلوم ہوتا ہے جو عام طور سے بالوں کے گرنے کا سبب بنتے ہیں۔ بیش تر افراد میں ادھیڑ عمر کو پہنچ کر بال گرنا شروع ہو جاتے ہیں جس کی وجہ محض یہی ہوتی ہے کہ وہ بے احتیاطی سے کام لیتے ہیں اور بالوں کی خاطر خواہ نگہ داشت نہیں کرتے اور اپنے سر کو اور بالوں کو اچھی طرح سے صاف نہیں کرتے اور انھیں میلا کچیلا اور چکنائی میں لپٹا ہوا چھوڑ دیتے ہیں۔ اس طرح سے بالوں کی جڑوں میں میل جمتا رہتا ہے جس سے میل دار بالوں میں اوپر سے تیل لگا کر اور بے احتیاطی سے کنگھا کر کے اور بھی گندگی بڑھاتے رہتے ہیں۔ ایسے میں سر کی جلد پر پپڑیاں جم جاتی ہیں اور بفا یعنی ڈینڈرف (Dandruff) پیدا ہو جاتی ہے۔

بے احتیاطی اور میل کا جماؤ، صرف یہی دو اسباب بال گرنے کے لیے کافی نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے ساتھ دوسرے عوامل بھی ہو سکتے ہیں، مثلاً صحت کی خرابی، ناقص اور غلط غذا، پریشانی، نفسیاتی صدمہ، خوف زدہ ہونا اور بالوں کے خود مختلف امراض جن میں بفا (Dandruff) سب سے زیادہ عام بیماری ہے۔

بالوں کی حفاظتی تدابیر:

بالوں کی حفاظت کے لیے چند احتیاطیں جن پر آپ عمل کر سکتے ہیں حسب ذیل ہیں:

سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ بالوں کے پتلا یعنی (thin) ہونے سے پہلے ہی ان کی خبر گیری کرنی چاہیے اور ہر تیسرے چوتھے دن بالوں کو کسی اچھے شیمپو (Shampoo) سے دھونا چاہیے اور بالوں کی جڑوں میں سے میل صاف کرنا چاہیے۔ اب سر اور بالوں کو بالکل خشک کر لینے کے بعد چند قطرے روغن بادام یا روغن زیتون یا روغن بیضہ مرغ یعنی انڈے کے تیل کو لے کر سر کی جلد (scalp) میں ہلکی مالش کرنی چاہیے۔

مگر اس قدر زور سے نہ مالش کریں کہ بال جڑ سے اکھڑنے لگیں، آپ کے کنگھے (Comb) کی نوکوں کو ہمیشہ گول ہونا چاہیے جس سے سر کی جلد پر خم نہیں بنتے اور بال نہیں گرتے۔

غرض یہ کہ بالوں کو گرنے سے روکنے کے لیے شروع سے سر کو صاف رکھا جائے، نیز صابن استعمال نہ کیا جائے اور قدرتی قوانین کی پابندی کی جائے، (باقی ص: ۴۷ پر)

پورہ رانی، مبارک پور

چراغ خانہ

عالمات ہوش میں آجائیں

ذکریٰ امجدی واسطی

سوشل میڈیا پر گردش کرنے والی یہ دردمندانہ تحریر محترمہ ذکریٰ امجدی واسطی کے دل کی آواز ہے، انھوں نے اپنی اس تحریر میں دین دار خواتین، خصوصاً عالمات و معلمات کو سوشل میڈیا پر غیر محتاط رویوں سے باز رہنے کی اپیل کی ہے۔ انھوں نے سادہ مگر موثر انداز میں امت کی خواتین کو دین کی سچی دعوت پیش کرتے ہوئے خود نمائی اور دوہرے معیار پر تنبیہ بھی کی ہے اور علم و حیا کے تقاضے بھی یاد دلائے ہیں۔ تحریر کی افادیت کے پیش نظر اسے ماہ نامہ اشرفیہ میں شامل کیا جا رہا ہے۔ دیگر قلم کاروں کو بھی ہم دعوت دیتے ہیں کہ اس طرح کی مختصر مگر کارآمد باتیں لکھتے رہیں، یہ بہر حال وقت اور حالات کا اہم ترین تقاضا ہے۔ (مہتاب پیامی)

کئی سالوں سے مسلسل مشاہدے میں آرہا ہے کہ اسٹیٹس پر تصاویر لگانے والی بھاری بھرکم تعداد عالمات کی بھی ہے، طریقۂ کار یہ ہوتا ہے کہ چہرے کے آدھے حصہ پر اسٹیکر لگا کر ہاتھوں پر مہندی، انگلیوں میں انگوٹھی، کلائیوں میں چوڑیاں اور کپڑے بھی عمدہ سے عمدہ ترین، کبھی آنکھوں کو مکمل آراستہ کر کے کبھی کچھ نہیں ملا تو اپنا جوتا چپل ہی پہن کر لوگوں کو دکھا دیا اور لوگ دیکھ بھی رہے ہیں۔

اگر ان سے یہ کہا جائے کہ آپ اسٹیٹس پر تصاویر کیوں رکھتی ہیں؟ تو جواب ملتا ہے چہرا چھپا ہوتا ہے، کبھی کہتی ہیں مرد حضرات کو پرائیویسی کر دیتی ہوں، کبھی کہتی ہیں صرف سہیلیاں ہی دیکھتی ہیں، اللہ بہتر جانے کہ کیا سچ ہے۔ صرف اتنا ہی نہیں حج و عمرہ کے مقدس سفر میں بھی ان کی یہ حرکت بدستور قائم ہے۔ میں نے چند عالمات کو اس تعلق سے ٹوکا، انھوں نے مجھے ہائڈ کر دیا، مگر لگانے سے باز نہیں رہیں۔ خود کا تماشا کرا کے ملتا کیا ہے اللہ ہی جانے!

پھر جب عوام خواتین یہی کام کریں تو یہی عالمات اسٹیج پر جا کر لمبی لمبی تقریریں کرتی ہیں، خوب وعیدیں بیان کی جاتی ہیں، جہنم کے سب سے سخت عذاب کا ڈر سنایا جاتا ہے؛ خود را فضیحت دیگر را نصیحت، خدارا ہوش کے ناخن لیں، بند کر دیں، خود کا تماشا کرنا، کرانا۔

جب عالمات یہ کام کریں گی تو ظاہر ہے عوام بدرجہ اولیٰ ان افعال قبیحہ کی مرتکب ہوں گی بلکہ انھیں دلیل بنا کر پیش کریں گی کیوں کہ پیروی اچھی چیزوں کی کم برائی کی زیادہ کی جاتی ہے، پھر عوام حوالہ دیتے ہیں، فلاں عالمہ نے ایسا اسٹیٹس لگایا تھا۔ پھر طالبات بھی یہی کہتی ہیں کہ فلاں معلمہ بھی تصویر اسٹیٹس لگاتی ہیں۔ یہاں جواز کا حکم بیان کرنے سے پہلے ایک بار سوچیں۔ اوّلاً تو میں جواز کے قائل نہیں اور جو لوگ جواز کے قائل ہیں وہاں بھی عورتوں کا مجرا کے جواز کے نہیں۔

عالم، عالمہ، مفتی، مفتیہ، مبلغ، مبلغہ، یہ بہکے تو عوام بھی بہکے۔ کاش عالمات کی آنکھ کھلے، کان کھلے، دل جاگے، ضمیر جاگے، احساس بیدار ہو، اسی بیداری کے لیے یہ چند الفاظ حاضر ہیں۔

راکھ کے ڈھیروں سے کہیں کوئی چنگاری سلگ گئی تو اپنی محنت وصول سمجھوں گی، جائز ناجائز کی تمیز کیجیے، دین کی بہترین خادمہ بنیے، امت کا درد دل میں پیدا کیجیے بے حیائی کے چورا ہے پر دنیا آکھڑی ہے، علم و حیا کا آئینہ بنیں۔

رب قدیر ہمیں بہترین عالمہ؛ معلمہ دین کی خادمہ بنائے؛ برائیوں کو دور کرنے بے حیائی کو جڑ سے ختم کرنے اور صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

■■■

فکر و نظر

مدارس کی تعلیم اور جدید تقاضے
چند اصلاحی تجاویز

بزمِ دانش میں آپ ہر ماہ بدلتے حالات اور ابھرتے مسائل پر فکر و بصیرت سے لبریز نگارشات پڑھ رہے ہیں۔ ہم اربابِ قلم اور علمائے اسلام کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ دیے گئے موضوعات پر اپنی گراں قدر اور جامع تحریریں ارسال فرمائیں۔ غیر معیاری اور تاخیر سے موصول ہونے والی تحریروں کی اشاعت سے ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں۔ از: **مبارک حسین مصباحی**

* اکتوبر 2025 کا عنوان — اخلاقِ نبوی ﷺ اور آج کی مسلم قیادت
* نومبر 2025 کا عنوان — فقہ اسلامی اور دستورِ ہند کا تقابلی جائزہ

مدارس کی تعلیم-سنجیدگی سے غور و فکر اور عملی اقدامات کی ضرورت

از: مفتی ڈاکٹر محمد سبطین رضا مرتضوی

اسلامی مدارس جو صدیوں سے ہمارے دین، تہذیب اور علم و حکمت کے چراغ روشن رکھے ہوئے ہیں، آج ایک ایسے موڑ پر کھڑے ہیں جہاں انھیں اپنے ماضی کی شاندار روایات اور مستقبل کے جدید تقاضوں کے درمیان ایک مؤثر توازن قائم کرنا ہے۔ بلاشبہ ان اداروں نے دین اسلام کی ترویج و اشاعت میں بے مثال کردار ادا کیا ہے، لاکھوں نفوس کو قرآن و سنت کے علوم سے آراستہ کیا ہے اور ایک مضبوط روحانی و اخلاقی بنیاد فراہم کی ہے، مگر اب وقت کا تقاضا ہے کہ ہم ایک وسیع النظری اور حقیقت پسندی کے ساتھ ان کے موجودہ نظام تعلیم کا جائزہ لیں اور چند ایسی گراں قدر اصلاحی تجاویز پر غور کریں جو انھیں دور حاضر کے چیلنجز سے نبرد آزما ہونے اور ایک متوازن، فعال اور کارآمد معاشرہ تشکیل دینے میں مدد دیں۔

تاریخی پس منظر اور موجودہ صورتحال:

برصغیر میں اسلامی مدارس کی تاریخ بہت قدیم اور روشن ہے۔ ان کا آغاز مساجد سے ہوا، جہاں مسلمان اپنی دینی ضروریات پوری کرتے تھے اور ساتھ ہی بچوں کو قرآن کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ رفتہ رفتہ یہ مراکز باقاعدہ تعلیمی اداروں کی شکل اختیار کر گئے؛ جہاں قرآن، حدیث، فقہ، تفسیر، سیرت، نحو و صرف اور منطق و فلسفہ جیسے علوم کی گہری تعلیم دی جانے لگی۔ ان مدارس کا بنیادی مقصد ایسے علما، فقہا، محدثین اور مفسرین تیار کرنا تھا جو امت مسلمہ کو دینی رہنمائی فراہم کر سکیں اور اسلامی اقدار کا تحفظ کر سکیں۔ ان اداروں نے تاریخ کے مختلف ادوار میں ایسے جید علمائے کرام پیدا کیے جن کی علمی خدمات آج بھی ہمارے لیے مشعل راہ ہیں۔ برصغیر میں شاہ ولی اللہ دہلوی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی وغیرہم کی درس گاہوں نے علم و عرفان کے دیپ جلائے رکھے۔ تاہم گزشتہ چند صدیوں میں خاص طور پر برطانوی نوآبادیاتی دور کے بعد برصغیر میں تعلیم کے دو متوازی نظام رائج ہو گئے تھے۔ ایک طرف انگریزی اور عصری علوم پر مبنی جدید تعلیمی ادارے قائم ہوئے اور دوسری طرف مدارس کا روایتی نظام برقرار رہا جو صرف دینی علوم پر مرکوز تھا۔

ایڈیٹر سہ ماہی صدائے مناظر اہلسنت، اتر دیناج پور، بنگال sibtainraza160@gmail.com–6297289394

آج کے دور میں جب دنیا ایک گلوبل ولیج بن چکی ہے اور معلومات کا سیلاب ہر طرف سے امڈ آیا ہے، یہ بات از حد ضروری ہے کہ ہم اس فاصلے کو کم کریں۔ ہمارے مدارس کے فارغین اگرچہ دینی علوم میں غیر معمولی مہارت حاصل کر لیتے ہیں اور ان کی قیمتی دینی بصیرت امت مسلمہ کے لیے مشعل راہ ہے، لیکن موجودہ سائنسی، تکنیکی، معاشی اور سماجی چیلنجز کو سمجھنے اور ان سے نمٹنے کے لیے انھیں جدید علوم سے بھی آراستہ کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ انھیں روزگار کے وسیع مواقع فراہم کرنے اور معاشرتی سطح پر ان کے دائرہ کار کو وسیع کرنے کے لیے یہ لازم ہے کہ وہ اپنے علم کو جدید حالات میں مؤثر طریقے سے بروئے کار لانے کے قابل ہوں۔ یہ صورت حال نہ صرف ان طلبہ کے مستقبل کو روشن کرے گی بلکہ بحیثیت مجموعی امت کی ترقی میں بھی معاون ثابت ہوگی کیوں کہ اس طرح ایک بڑا طبقہ جدید دھاروں سے جڑ سکے گا۔ یہ ایک اہم موقع ہے جس پر سنجیدگی سے غور و فکر اور عملی اقدامات کی ضرورت ہے۔

اصلاحی تجاویز-ایک جامع نقطہ نظر:

مدارس کے نظام تعلیم میں اصلاحات کا مطلب اس کی بنیادی روح کو مسخ کرنا یا اس کے دینی تشخص کو ختم کرنا ہرگز نہیں ہے، بلکہ اس کا مقصد اس کی افادیت کو بڑھانا، اسے عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا اور اسے مزید مضبوط، جامع اور فعال بنانا ہے۔ یہ اصلاحات اسلامی اقدار اور روایات کی مکمل پاس داری کے ساتھ کی جانی چاہیے تاکہ دینی و دنیاوی علوم کے مابین ایک مؤثر ہم آہنگی پیدا ہو سکے۔ ذیل میں چند اصلاحی تجاویز پیش کی جا رہی ہیں:

(1)-نصاب میں عصری علوم کا منظم شمول:

یہ مدارس کے تعلیمی نظام کے لیے سب سے اہم اور بنیادی ضرورت ہے۔ آج کی دنیا صرف دینی علوم تک محدود نہیں ہے۔ سائنسی، تکنیکی، اقتصادی اور سماجی ترقی نے زندگی کے ہر شعبے میں نمایاں تبدیلیاں پیدا کی ہیں۔ یہ ضروری ہے کہ مدارس کے نصاب میں دینی علوم کے ساتھ عصری علوم کو ایک منظم اور مربوط انداز میں شامل کیا جائے، نہ کہ صرف اضافی مضامین کے طور پر۔

جدید سائنسی مضامین: فزکس، کیمسٹری، بیالوجی اور ریاضی کی بنیادی تعلیم کو نصاب کا لازمی حصہ بنایا جائے۔ اس سے طلبہ میں سائنسی سوچ، مشاہدہ، تجربہ اور تحقیق کے طریقوں سے آشنائی پیدا ہوگی۔ یہ انھیں کائنات کے اسرار کو سمجھنے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی تخلیق میں موجود گہری نشانیوں پر غور کرنے میں بھی مدد دے گا۔ سائنس کا مطالعہ در اصل اللہ کی تخلیق کی حکمت کو سمجھنے کا ایک ذریعہ ہے۔

انگریزی اور دیگر عالمی زبانیں: انگریزی آج کی گلوبل دنیا کی سب سے مؤثر زبان ہے۔ اس پر عبور حاصل کرنا عالمی سطح پر رابطے، جدید علوم تک رسائی اور دعوت دین کے فریضے کو مؤثر طریقے سے انجام دینے کے لیے ناگزیر ہے۔ مدارس کو انگریزی زبان کی تعلیم پر خصوصی توجہ دینی چاہیے۔ اس کے علاوہ عربی اور اردو زبان پر مکمل عبور کے ساتھ ساتھ مقامی زبانوں پر بھی عبور ضروری ہے تاکہ طلبہ اپنی بات کو مؤثر طریقے سے پیش کر سکیں اور اپنے معاشرے سے جڑے رہیں۔ اگر ممکن ہو تو چینی یا اسپینش جیسی اہم عالمی زبانوں کی بنیادی تعلیم بھی شامل کی جا سکتی ہے تاکہ عالمی سطح پر دعوت کے نئے دروازے کھل سکیں۔

کمپیوٹر سائنس اور انفارمیشن ٹیکنالوجی: ڈیجیٹل دور میں کمپیوٹر کی بنیادی معلومات، انٹرنیٹ کے استعمال اور مختلف سافٹ ویئرز کی افادیت سے واقفیت لازمی ہے۔ طلبہ کو کوڈنگ، ویب ڈیزائننگ، گرافک ڈیزائننگ، اور ڈیٹا اینالسیز جیسے شعبوں کی بنیادی تربیت دی جائے تاکہ وہ ٹیکنالوجی کا مثبت اور تعمیری استعمال کر سکیں اور ڈیجیٹل دنیا میں مؤثر کردار ادا کر سکیں۔

معاشرتی علوم اور اقتصادیات: تاریخ، جغرافیہ، شہریت (Civics) اور بنیادی اقتصادیات (Economics) کی تعلیم بھی ضروری ہے تاکہ طلبہ معاشرتی ڈھانچوں، عالمی معاملات، ریاست کے نظام اور معاشی اصولوں کو سمجھ سکیں اور ان میں مؤثر

کردار ادا کر سکیں۔ یہ علوم انھیں موجودہ دنیا کے پیچیدہ مسائل کو حل کرنے کی صلاحیت دیں گے اور وہ عالمی سطح پر اسلامی نقطۂ نظر کو بہتر طریقے سے پیش کر سکیں گے۔

ان علوم کی شمولیت سے طلبہ کی فکری وسعت میں اضافہ ہوگا اور وہ دنیا کے بدلتے ہوئے رجحانات کو بہتر طور پر سمجھ سکیں گے، جس سے وہ دین کی روشنی میں معاشرتی تبدیلیوں کو سمجھنے اور ان کا سامنا کرنے کے قابل ہوں گے۔

(2)-تدریسی طریقوں میں جدت اور اساتذہ کی تربیت:

تدریسی طریقوں میں جدت لائے بغیر نصاب کی اصلاح بے معنی ہے۔ چند مدارس میں اب بھی اکثر قدیم طرز تدریس رائج ہے جہاں استاد تقریر کرتا ہے اور طلبہ اسے صرف حفظ کرتے ہیں۔ اگرچہ حفظ کی اہمیت مسلم ہے، لیکن تنقیدی سوچ اور اطلاقی علم کے لیے اس میں تبدیلی لانا ضروری ہے۔

فعال تدریس: تدریسی عمل کو زیادہ فعال بنایا جائے۔ طلبہ کو صرف لیکچر سننے کے بجائے مباحثوں، گروپ ڈسکشنز، پریزنٹیشنز، کیس اسٹڈیز اور تحقیقی منصوبوں کے ذریعے سیکھنے کا موقع دیا جائے۔ اس سے ان میں تنقیدی سوچ، خود مختارانہ سیکھنے کی صلاحیت اور مسائل حل کرنے کی مہارت پیدا ہوگی۔

تحقیقی طریقہ تدریس: طلبہ کو صرف معلومات فراہم کرنے کے بجائے انھیں خود تحقیق کرنے، حوالہ جات تلاش کرنے اور اپنی رائے قائم کرنے کی ترغیب دی جائے۔ لائبریری کے استعمال اور آن لائن تحقیقی وسائل تک رسائی کی تربیت دی جائے۔ انھیں مقالہ نویسی اور پراجیکٹ ورک کی مشق کرائی جائے تاکہ ان میں تحقیقی صلاحیتیں پروان چڑھیں۔

اساتذہ کی تربیت اور ترقی: مدارس کے اساتذہ کو جدید تدریسی طریقوں، بچوں کی نفسیات اور عصری علوم کی تدریس کے لیے باقاعدہ اور مسلسل تربیت دی جائے۔ ان کے لیے ورکشاپس، سیمینارز اور ریفریشر کورسز کا انعقاد کیا جائے تاکہ وہ خود کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کر سکیں اور طلبہ کو مؤثر رہنمائی فراہم کر سکیں۔ اساتذہ کو نئی ٹیکنالوجی کے استعمال کی تربیت بھی دی جائے تاکہ وہ ڈیجیٹل وسائل جیسے ملٹی میڈیا، تعلیمی سافٹ ویئرز، اور آن لائن ریسرچ ٹولز کو اپنی تدریس میں شامل کر سکیں۔ انھیں جدید تعلیمی فلسفوں اور تدریسی نفسیات سے بھی آگاہ کیا جائے۔

(3)-پیشہ ورانہ تربیت اور مہارت سازی:

دینی علوم کی گہری بصیرت کے ساتھ ساتھ طلبہ کو ایسے ہنر اور پیشہ ورانہ صلاحیتیں بھی سکھائی جائیں جو انھیں تعلیم مکمل کرنے کے بعد باعزت روزگار کمانے کے قابل بنا سکیں۔ یہ انھیں معاشی طور پر خود کفیل بنائے گا اور وہ معاشرے کا فعال اور باوقار حصہ بن سکیں گے۔ اس سے مدارس کے فارغین کو صرف مساجد اور مدارس تک محدود رہنے کے بجائے وسیع تر معاشرتی میدانوں میں اپنا کردار ادا کرنے کا موقع ملے گا۔

کمپیوٹر اور آئی ٹی کی مہارتیں: ویب ڈویلپمنٹ، گرافک ڈیزائننگ، ڈیجیٹل مارکیٹنگ، آفس آٹومیشن کی تربیت دی جائے۔ یہ مہارتیں آج کے دور میں انتہائی مطلوب ہیں اور گھر بیٹھے بھی روزگار کے مواقع فراہم کرتی ہیں۔

کثیر اللسانی مہارتیں: ترجمہ نگاری، پروف ریڈنگ، اور کانٹینٹ رائٹنگ کی تربیت دی جائے، خاص طور پر عربی، اردو اور انگریزی زبانوں میں۔ مدارس کے طلبہ عربی زبان پر گہری گرفت رکھتے ہیں، اس ہنر کو ترجمہ کے میدان میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

دستکاری اور ہنر: اگر مدارس میں وسائل میسر ہوں تو دست کاری، ٹیلرنگ، الیکٹریشن، کارپینٹری یا کسی اور ایسے ہنر کی تربیت دی جائے جس کی مقامی مارکیٹ میں طلب ہو۔ یہ چھوٹے پیمانے کے ہنر انھیں فوری روزگار فراہم کر سکتے ہیں۔

بزنس انکیوبیٹرز: چھوٹے پیمانے پر کاروباری تربیت اور رہنمائی فراہم کی جائے تاکہ طلبہ خود اپنا کاروبار شروع کرنے کی صلاحیت پیدا کر سکیں۔ اس کے لیے چھوٹے انکیوبیٹرز قائم کیے جا

سکتے ہیں جہاں انھیں بزنس پلاننگ، مارکیٹنگ اور مالی انتظام کی بنیادی معلومات دی جائیں۔ اس سے انھیں صرف نوکریوں کا انتظار نہیں کرنا پڑے گا بلکہ وہ خود روزگار پیدا کرنے والے بنیں گے۔

(4)-لائبریریوں اور تحقیقی سہولیات کی بہتری:

تحقیق اور مطالعہ کسی بھی تعلیمی نظام کی بنیاد ہوتے ہیں۔ مدارس کی لائبریریوں کو جدید علوم کی کتابوں، رسالوں، تحقیقی جرائد، اور ڈیجیٹل وسائل سے مالا مال کیا جائے۔ صرف قدیم دینی کتب پر انحصار نہ کیا جائے۔

وسائل کی فراہمی: لائبریریوں میں صرف دینی کتب نہیں بلکہ سائنسی، سماجی، اقتصادی، ادبی اور تاریخی کتب بھی فراہم کی جائیں۔ انٹرنیٹ تک رسائی اور ڈیجیٹل لائبریریوں، علمی ویب سائٹس اور آن لائن ڈیٹابیسز کا قیام وقت کی اہم ضرورت ہے۔ ای-بکس (E-books) اور آن لائن جرائد تک رسائی دی جائے۔

مطالعے کی ترغیب: طلبہ کو کتب بینی اور تحقیق کی طرف راغب کیا جائے۔ ان کے لیے مطالعہ کے گھنٹے مختص کیے جائیں اور انھیں تحقیقی مقالے لکھنے کی ترغیب دی جائے جو دینی اور عصری علوم کے امتزاج پر مبنی ہوں۔ بک ریویو (Book Review) اور مطالعہ کے حلقے تشکیل دیے جائیں۔

تحقیقی مراکز کا قیام: اگر ممکن ہو تو مدارس میں چھوٹے پیمانے پر تحقیقی مراکز قائم کیے جائیں جہاں طلبہ اساتذہ کی نگرانی میں کسی خاص موضوع پر تحقیق کر سکیں۔ یہ مراکز بین الادیانی مکالمے (Interfaith Dialogue) اور عصری مسائل پر اسلامی نقطہ نظر پیش کرنے کا پلیٹ فارم بن سکتے ہیں۔

(5)-نصابی اور غیر نصابی سرگرمیوں کا فروغ:

تعلیم صرف کلاس روم تک محدود نہیں ہونی چاہیے۔ ہم نصابی اور غیر نصابی سرگرمیاں طلبہ کی شخصیت کی جامع نشوونما میں کلیدی کردار ادا کرتی ہیں اور انھیں معاشرتی زندگی کے لیے تیار کرتی ہیں۔

کھیل اور جسمانی سرگرمیاں: کھیل کود کو نصاب کا حصہ بنایا جائے تاکہ طلبہ جسمانی طور پر صحت مند رہیں اور ٹیم ورک، قائدانہ صلاحیتوں (Leadership Skills) اور نظم و ضبط (Discipline) سیکھیں۔ کھیلوں کے باقاعدہ مقابلے منعقد کیے جائیں۔

تقریری و تحریری مقابلے: اردو، عربی اور انگریزی میں تقریری اور تحریری مقابلوں کا باقاعدہ اہتمام کیا جائے تاکہ طلبہ میں اظہار کی صلاحیت، بحث و مباحثہ کی قدرت اور اپنی رائے کو مؤثر طریقے سے پیش کرنے کی مہارت پیدا ہو۔

کلچرل اور سماجی سرگرمیاں: طلبہ کو مختلف سماجی و ثقافتی سرگرمیوں میں حصہ لینے کا موقع دیا جائے تاکہ وہ وسیع معاشرتی ہم آہنگی اور تنوع کو سمجھ سکیں۔ انھیں سماجی خدمت کے منصوبوں میں شامل کیا جائے تاکہ ان میں دوسروں کے لیے ہمدردی اور خدمت کا جذبہ پیدا ہو۔

صحت اور صفائی کے سیمینار: طلبہ کو حفظان صحت کے اصولوں اور صفائی کی اہمیت کے بارے میں تعلیم دی جائے تاکہ وہ اپنی اور اپنے ماحول کی صفائی کا خیال رکھ سکیں۔

(6)-عالمی سطح پر رابطے اور تبادلے:

مدارس کو اپنے دائرہ کار سے باہر نکل کر دیگر دینی اور عصری تعلیمی اداروں کے ساتھ رابطے اور تعاون کو فروغ دینا چاہیے۔ اس سے نہ صرف ان کا علمی افق وسیع ہوگا بلکہ وہ جدید تعلیمی دھاروں سے بھی آگاہ ہوں گے۔

تعلیمی تبادلے: مدارس کے طلبہ اور اساتذہ کو دیگر یونیورسٹیز، کالجز اور بین الاقوامی تعلیمی اداروں کے ساتھ تعلیمی تبادلے کے مواقع فراہم کیے جائیں۔ اس سے وہ نئے تعلیمی رجحانات، تحقیق کے طریقے اور تدریس کے جدید اسالیب سے واقف ہو سکیں گے۔ یہ تجربات ان کی سوچ میں وسعت پیدا کریں گے۔

مشترکہ سیمینار اور کانفرنسز: مدارس اور عصری تعلیمی اداروں کے درمیان مشترکہ سیمینار، کانفرنسز اور ورکشاپس کا انعقاد کیا جائے جہاں مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے ماہرین اپنے خیالات کا تبادلہ کر سکیں۔ اس سے دونوں نظاموں کے درمیان غلط فہمیاں دور ہوں گی اور ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کی راہیں کھلیں گی۔

ماہرین کی مشاورت: عصری علوم کے ماہرین، پروفیسرز اور مختلف شعبوں کے پریکٹیشنرز کو مدارس میں لیکچر دینے اور طلبہ کی رہنمائی کے لیے مدعو کیا جائے۔ یہ انھیں عملی دنیا کے بارے میں آگاہی دیں گے۔

(7)—مالی خود انحصاری اور انتظامی ڈھانچے میں شفافیت:

مدارس کا زیادہ تر انحصار عوامی چندے پر ہوتا ہے، جس سے مالی غیر یقینی کی صورت حال پیدا ہوتی ہے۔ مالی خود انحصاری کے طریقے تلاش کرنا اور انتظامی ڈھانچے میں شفافیت لانا ضروری ہے تاکہ مدارس پائیدار بنیادوں پر ترقی کر سکیں۔

آمدنی کے نئے ذرائع: زکوٰۃ، صدقات اور عطیات کے علاوہ کچھ ایسے ذرائع بھی تلاش کیے جائیں جو مالی خود انحصاری پیدا کر سکیں، مثلاً پیشہ ورانہ کورسز کی فیس یا چھوٹے صنعتی یونٹس کا قیام۔ ایسے منصوبے شروع کیے جا سکتے ہیں جو حلال آمدنی پیدا کریں اور مدارس کے اخراجات میں معاون ہوں۔

شفاف مالی انتظام: مالی حساب کتاب میں مکمل شفافیت کو یقینی بنایا جائے اور آڈٹ کا باقاعدہ نظام قائم کیا جائے تاکہ چندہ دہندگان کا اعتماد برقرار رہے۔ مالی رپورٹیں باقاعدگی سے شائع کی جائیں۔

جدید انتظامی ڈھانچہ: مدارس کے انتظامی ڈھانچے کو جدید خطوط پر استوار کیا جائے، جس میں پیشہ ورانہ مہارت رکھنے والے افراد شامل ہوں جو تعلیمی، مالی اور دیگر انتظامی امور کو مؤثر طریقے سے چلا سکیں۔ ایک مجلس شوریٰ یا بورڈ آف ڈائریکٹرز قائم کیا جائے جس میں دینی اور عصری علوم کے ماہرین شامل ہوں۔

توازن اور حکمت عملی کی ضرورت:

یہ تمام تجاویز ایک دن میں نافذ نہیں کی جاسکتیں۔ یہ ایک طویل المدتی عمل ہے جس کے لیے مسلسل کوشش، مضبوط ارادے اور حکمت عملی کی ضرورت ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ یہ اصلاحات مدارس کی بنیادی روح اور دینی تشخص کو برقرار رکھتے ہوئے ہی کی جانی چاہیے۔ یاد رہے کہ ہمارا مقصد دینی علوم کی اہمیت کو کم کرنا ہرگز نہیں ہے بلکہ اسے عصری تقاضوں کے ساتھ جوڑ کر مزید مؤثر اور کارآمد بنانا ہے تاکہ ہمارے مدارس سے ایسے افراد تیار ہوں جو نہ صرف دین کی گہری بصیرت رکھتے ہوں بلکہ دنیاوی مہارتوں سے بھی آراستہ ہوں اور معاشرے کی تعمیر و ترقی میں اپنا بھرپور کردار ادا کر سکیں۔

انھیں اس قابل بنانا ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جدید دنیا کے پیچیدہ چیلنجز کا سامنا کر سکیں اور ان کا مؤثر حل پیش کر سکیں۔ ہم میں سے بہت لوگوں کو یہ مواقع میسر نہ آسکے کہ ہم دینی علوم کے ساتھ عصری علوم میں بھی مہارت کر سکیں، لیکن آج ہمارے پاس بہترین موقع ہے کہ ہم مدارس کے موجودہ اور آئندہ طلبہ کو یہ مواقع فراہم کریں۔ یہ ہماری اجتماعی ذمہ داری ہے کہ ہم انھیں دین کے عمیق علم سے آراستہ کرنے کے ساتھ ساتھ جدید سائنسی علوم، عالمی زبانوں، کمپیوٹر اور انفارمیشن ٹیکنالوجی اور مختلف پیشہ ورانہ مہارتوں سے بھی مزین کریں۔ اس طرح وہ محض دین کے مبلغ یا مذہبی رہنما تک محدود نہیں رہیں گے بلکہ سائنس دان، انجینئر، ڈاکٹر، ماہر اقتصادیات، کاروباری اور میڈیا پرسن جیسے مختلف شعبوں میں بھی امت کی رہنمائی کر سکیں گے۔

مدارس کے ذمہ داران، اساتذہ کرام، سابق طلبہ اور تمام دینی اسکالرز کو ایک ساتھ مل کر اس سمت میں سنجیدگی سے غور و فکر کرنا ہوگا اور عملی اقدامات اٹھانے ہوں گے۔ یہ محض تنقید کرنے یا زبانی جمع خرچ کرنے کا وقت نہیں ہے، بلکہ حقیقی تبدیلی لانے اور

مستقبل کی بنیادیں مضبوط کرنے کا ہے۔ اگر ہم آج یہ جرأت مندانہ قدم اٹھاتے ہیں اور مدارس کے نظام تعلیم میں یہ مطلوبہ اصلاحات لاتے ہیں تو یقیناً ہمارے مدارس مستقبل میں بھی دین اور دنیا دونوں کے قلعے بنے رہیں گے اور ان سے ایسے افراد تیار ہوں گے جو امت کی فکری، روحانی اور عملی رہنمائی کا فریضہ احسن طریقے سے انجام دے سکیں گے۔ بصورت دیگر اگر ہم نے وقت کے بدلتے تقاضوں کو نظر انداز کیا اور خود کو نہ بدلا تو خدشہ ہے کہ مدارس کی علمی و روحانی روشنی کم پڑ جائے گی اور وہ آج کے جدید دور میں اپنی اہمیت اور افادیت کھودیں گے۔ ہمیں بحیثیت قوم اس چیلنج کو قبول کرنا ہوگا اور ایک روشن، متوازن، اور ترقی یافتہ مستقبل کی بنیاد رکھنی ہوگی۔ ■■■

طلبہ کی کونسلنگ اور اُن کی ذہنی وفکری تربیت ہونی چاہیے

از: ڈاکٹر جہاں گیر حسن مصباحی

مدارس اسلامیہ؛ صدیوں سے اسلامی تعلیم، دینی شعور، اخلاقی تربیت اور رُوحانی نشو و نما کے مراکز رہے ہیں۔ برصغیر ہند و پاک میں خصوصاً مدارس نے نہ صرف دین کی حفاظت کی، بلکہ مسلمانوں کی ملی و مذہبی شناخت کو باقی رکھنے میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ تاہم، وقت کے ساتھ دنیا میں تیزی سے سائنسی، تکنیکی اور فکری تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں جنھوں نے تعلیم کے ہر شعبے کو متاثر کیا ہے۔ چناں چہ ان حالات میں مدارس کا نظام تعلیم بھی اصلاحات کا متقاضی ہے، تاکہ یہ ادارے اپنے اصل مقاصد کو برقرار رکھتے ہوئے دورِ حاضر کے تقاضوں کو پورا کر سکیں۔

ہمیں یہ ازبر رہنا چاہیے کہ ہمارے اسلاف علما و صلحا محض دینی و مذہبی پس منظر نہیں رکھتے، بلکہ وہ جدید علوم و فنون، مثلاً سیاسیات و معاشیات، طبابت و جراحت، صنعت و حرفت، سائنس و ٹیکنالوجی وغیرہ کے لحاظ سے بھی اپنا ایک نمایاں اور مثالی پس منظر رکھتے ہیں۔ یہاں ہم ایک بات یہ بھی واضح کرتے چلیں کہ ہمارے اسلاف نے دین و دنیا دونوں میں کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔ مثال کے طور پر علامہ فضل حق خیرآبادی رحمہ اللہ جامع معقولات و منقولات تسلیم کیے جاتے تھے۔ انھیں انگریزی حکومت میں اعلیٰ عہدے پر فائز ہونے کا موقع ملا، تو کیا علامہ فضل حق خیرآبادی کی یہ فائزیت، محض دینی علوم و فنون میں مہارت کی بنیاد پر تھی یا پھر عصری علوم و فنون میں بھی مہارت کی بنیاد پر؟ علاوہ ازیں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمہ اللہ کے سلسلے میں بھی یہ کہا جاتا ہے کہ آپ دینی و دُنیوی علوم و فنون کے ماہر و جامع تھے، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اُنھوں نے یہ علوم و فنون کہاں سے حاصل کیے؟ کیا وہ آکسفورڈ جیسے عصری اداروں سے مستفید ہوئے؟ جہاں تک ہمیں علم ہے، تو ایسی کوئی بات نہیں، بلکہ اُنھوں نے جو بھی دینی و دُنیوی علوم و فنون حاصل کیے وہ صرف مدارس کی دَین ہے اور اُن اسلاف علما و فضلا کی مرہون منت ہے جنھوں نے دینیات و عصریات پر مبنی معقول نظام و نصاب تعلیم کے ذریعے اُن کی تعلیم و تربیت فرمائی۔ اُسی طرح صدرالشریعہ علامہ حکیم امجد علی رحمہ اللہ سے متعلق ہمیں یہ پڑھنے اور سننے کو ملتا ہے کہ اُنھوں نے علی گڑھ کے دینیات کے نصاب میں ایک مثالی کردار ادا کیا، جسے عصری تناظر میں پیش کرکے بین الاقوامی سطح پر مفید بنایا گیا، تو کیا اُن کی یہ علمی و فکری خدمات محض کتابوں اور بیانوں کی زینت بننے تک ہی محدود رہنا چاہیے؟ کیا مدارس نے اسلاف علما و فضلا کے ہمہ جہت دینی و دُنیوی تعلیمی نظریات و افکار کو اَپنے یہاں رائج کرنے پر کبھی غور و فکر کیا ہے؟

یہ تمام باتیں جہاں ایک طرف گزشتہ عہد کے مدارس کے نظام و نصاب تعلیم و تربیت کی دینی و عصری جامعیت پر رُوشن

+91-9910865854, +91-9794364306, mjhasan2009@gmail.com

دلیلیں ہیں، تو وہیں دوسری طرف موجودہ عہد کے مدارس کے لیے لمحۂ فکریہ بھی ہے۔

موجودہ صورتِ حال: باوجودے کہ ماضی میں ہمارے مدارس دین و دُنیا دونوں اعتبار سے کافی موثر ثابت ہوئے، لیکن عصر حاضر کے مدارس کا بڑا ابرُا حال ہے کہ اُن میں آج بھی وہی پُرانا نصاب و نظام رائج ہے جو کئی صدیوں قبل کے حالات و ضروریات کے مطابق مرتب کیا گیا تھا۔ جب کہ آج دنیا میں ایک سے بڑھ کر ایک علم و فن کی دریافت کی جاچکی ہے، نت نئے علوم و فنون کا اضافہ ہورہا ہے۔ بلاشبہ دینی تعلیم، قرآن، حدیث، فقہ، عربی زبان اور عقائد کی تعلیم نہایت اہم اور بنیادی ہے، لیکن دورِ حاضر میں دیگر علوم جیسے سائنس، ٹیکنالوجی، جدید زبانیں اور سوشل سائنس سے بے خبری ہمارے نوجوانوں کو عملی دنیا میں پیچھے ڈھکیل رہی ہے اور نہ صرف اُن کی قائدانہ صلاحیتوں سوالیہ نشان قائم کررہی ہے بلکہ اُن کی صلاحیتوں سے مستفید ہونے سے عوام وخواص کو محروم بھی کررہی ہے۔

جدید تقاضے: آج کا دور عالمگیریت، انفارمیشن ٹیکنالوجی اور جدید طرز پر تنقید و تجزیہ کا ہے۔ موجودہ عہد میں جدید تقاضے کی باتیں کریں، تو درج چیزوں کی طرف ذہن از خود مبذول ہوجاتا ہے، مثلاً:

عصری علوم کی ناگزیریت: اسلامیات و اخلاقیات کے ساتھ سائنس، ٹیکنالوجی، ڈاکٹری، انجینئرنگ، ریاضی، کمپیوٹر، معاشیات اور جدید زبانیں (بالخصوص انٹرنیشنل زبانیں) وہ بنیادی علوم ہیں جو کسی بھی طالب علم کو ملک و معاشرے کا مفید شہری بنانے کے لیے لازم ہیں۔

تربیتِ افکار و اظہار: آج کے دور میں طوطا کی طرح صرف رٹنے رٹانے پر اِنحصار ناکافی ہے۔ طلبا کو تنقیدی و تحقیقی صلاحیت، قوت تجزیہ اور موثر انداز گفتگو سے مزین و مرصع کرنا زیادہ سودمند ہے۔ اِس کے لیے وقتاً فوقتاً طلبا کی کونسلنگ اور ورک شاپ کی شکل میں اُن کی ذہنی و فکری تربیت ہونی چاہیے، تاکہ وہ پختہ افکار اور عمدہ پیرایۂ اظہار کے حامل بن سکیں۔

تکنیکی مہارت: کمپیوٹر کی تعلیم اور ڈیجیٹل لٹریسی مدارس کے طلبا کے لیے وقت کی اہم ضرورت بن چکی ہے، اِس لیے اِن چیزوں پر توجہ دینا مدارس کے لیے کافی مفید ثابت ہوسکتا ہے، لہٰذا ان علوم سے طلبا کو ہم آہنگ کرنا بے حد اہم ہے۔

مابین المذاہب مکالمہ اور تحمل: عالمی سطح پر مختلف مذاہب کے درمیان گفتگو اور اِفہام و تفہیم کی ضرورت ہے۔ مدارس کو چاہیے کہ اپنے طلبا کو تحمل و برداشت، کلامی آہنگی اور اِعتدال کی تعلیم دیں، تاکہ وہ مخالفین تک بھی اپنے صالح خیالات و افکار آسانی سے پہنچا سکیں۔ بسا اوقات یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ طلبا کی اچھی سے اچھی باتیں بھی بے ہنگم اندازِ گفتگو، بے اِعتدالی اور عدم تحمل کے باعث اکارت ہوجاتی ہیں اور یوں تمام تر صلاحیتوں اور کوششوں کے باوجود ناکامی ہاتھ لگتی ہے۔

چند اصلاحی تجاویز:

موجودہ عہد کے پیش نظر اصلاحی تجاویز تو کارے دارد، لیکن اجمالی طور پر چند تجاویز پیش ہیں، مثلاً:

1۔ مدارس کو اجتماعی طور پر ایک متحدہ نصاب و نظام تعلیم کی تشکیل کی طرف پیش قدمی کرنی چاہیے، جو دینی علوم و فنون کے ساتھ عصری تقاضوں کو بھی پورا کرسکے۔

2۔ مدارس کا نصاب جدید تعلیمی پالیسی کے عین مطابق رکھنا چاہیے، جو حسب ذیل ہے:

◘ پہلا مرحلہ نرسری تا کلاس دوم، یہ پانچ سالہ مدت کار پر مشتمل ہے۔ اِس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں:

اوّل: نرسری تا کلاس دوم کی عصری تعلیم اور اِس سطح کی دینیات و اخلاقیات کا انتظام مساجد و مکاتب میں ایک ساتھ ہو۔

دوم: بچے عصری تعلیم کسی اِسکول میں حاصل کریں اور دِینیات و اخلاقیات کی تعلیم مساجد و کاتب سے حاصل کریں۔

◘ دوسرا مرحلہ کلاس سوم تا پنجم (ابتدائیہ/پرائمری)، یہ تین سالہ مدت کار پر مشتمل ہے۔ اِس کو مدارس کے اندر نافذ کیا جاسکتا ہے۔ اِس کے تحت دینیات واخلاقیات اور اُردو کے ساتھ کھیل کود بھی شامل کرسکتے ہیں۔ علاوہ ازیں علاقائی زبان اور انگلش ہندی پر توجہ دی جاسکتی ہے۔

◘ تیسرا مرحلہ کلاس ششم تا ہشتم (وسطانیہ/مڈل)، یہ بھی تین سالہ مدت کار پر مشتمل ہے۔ یہ مدارس کے لیے انتہائی مناسب و موزوں ہے۔ اِس مرحلے میں ممکنہ اسلامی تعلیمات شامل کرنے کے علاوہ اُردو-انگلش زبان اور عصری مضامین شامل کرنا چاہیے، تاکہ رائٹ ٹوایجوکیشن ایکٹ ۲۰۰۹ء کا کوئی مسئلہ کھڑا نہ ہوسکے۔ واضح رہے کہ جدید تعلیمی پالیسی کے تحت ۱۴/ سال کی عمر کے تمام بچوں کی تعلیم وتربیت حکومتی پالیسی کے مطابق بہرحال لازم ہے اور اِس میں کسی چوں چرا کی گنجائش نہیں۔

مدارس کی تعلیم میں حفظ قرآن بھی اہم مسئلہ ہے، تو ششم تا ہشتم ہی حفظ کا انتظام رکھیں اور اُس کے ساتھ ساتھ انگریزی، ہندی، حساب، سائنس وغیرہ کی تعلیم دیتے رہیں۔ پھر تکمیل حفظ پر ایک سالہ خصوصی عصری نصاب پڑھاکر حفاظ کو آٹھویں (وسطانیہ/مڈل) پاس کرائیں، تاکہ جو حفاظ مزید تعلیم کے خواہش مند ہوں تو انھیں کسی رخنہ کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

◘ چوتھا مرحلہ درجہ نہم (فوقانیہ، مولوی/میٹرک) تا دوازدہم (عالمیت/انٹر)، یہ مرحلہ چار سالہ مدت کار پر مشتمل ہے اور یہ پالیسی مدارس کے لیے بہت ہی صبر آزما اور امتحان و آزمائش والا ہے۔ لیکن خوش آئند بات یہ ہے کہ یہ مرحلہ رائٹ ٹو ایجوکیشن ایکٹ سے آزاد ہے، اِس لیے اِس مرحلے میں مدارس ایسے مضامین کا انتخاب واضافہ کرسکتے ہیں جو بچے کو عالمیت کے ساتھ مین اسٹریم انٹر کی تعلیم سے مربوط کرسکے۔

علاوہ ازیں اپنی سہولت کے پیش نظر مدارس، آٹھویں اور دسویں کے بعد دُو/چار سالہ عالمیت کا نصاب بھی خود بناسکتے ہیں، جس میں حسب امکان عصری مضامین کی شمولیت ہو۔ لیکن چوں کہ ابھی تک ملک میں جدید تعلیمی نظام نافذ نہیں ہوا ہے اور ابھی تک قدیم نظام تعلیم ہی رائج ہے، تو فی الحال درج ذیل صورتیں اختیار کی جاسکتی ہیں:

1۔ جب تک نصاب متعیّن ومرتب نہ ہو، مدارس اپنے طلبا کے لیے مڈل، میٹرک اور انٹر کے امتحانات کو یقینی بنائیں۔ تاکہ آگے چل کر طلبا کسی نوع کی پریشانی میں نہ پڑسکیں۔ یعنی درجہ ہشتم (ثانیہ) کے طلبا کو مڈل، درجہ نہم ودہم (ثالثہ- رابعہ) کے طلبا کو میٹرک اور درجہ یازدہم ودوازدہم (خامسہ-سادسہ) کے طلبا کو اِنٹر پاس کرنا لازم کردیں اور اِسکولنگ پاس کرنے کے بعد ہی ترقی دیں۔ طلبا کے لیے اُوپن اِسکولنگ بہترین متبادل ثابت ہوسکتا ہے۔ اِس کے علاوہ بھی دیگر حکومتی اداروں سے مدد لی جاسکتی ہے۔

2۔ انٹر (خامسہ سادسہ/عالمیت) سے ملکی نظام تعلیم تین (آرٹ، کامرس، سائنس) خانوں میں منقسم ہوجاتا ہے، تو اِس کو بنیاد بناتے ہوئے مدارس، اسلامیات کے نام سے ایک چوتھے شعبے کا اضافہ کرسکتے ہیں۔ لہٰذا مدارس کو عالمیت کے لیے اپنا ایک مخصوص کورس ڈیزائن کرنا چاہیے، جس میں تفسیر، حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، کلام، صرف ونحو اور منطق و فلسفہ کے ساتھ اُن عصری مضامین کی شمولیت بالخصوص ہو، جن کی بدولت اِنٹر پاس کرنے میں کسی نوع کی کوئی دشواری پیدا نہ ہو۔ غرض یہ کہ عالمیت کے کورس کو انٹر کے مساوی رکھنا چاہیے۔

علاوہ ازیں یہ صورت بھی نکالی جاسکتی ہے کہ جو طلبا ذوق وشوق رکھتے ہوں، تو انھیں عالمیت کے ساتھ اِنٹر (آرٹ، کامرس، سائنس) کرنے کی ترغیب دی جاسکتی ہے، کیوں کہ جب علما اِس میدان میں جائیں گے تو علمی انقلاب کے ساتھ دعوت وتبلیغ کی راہیں بھی ہموار ہوں گی۔

چوں کہ انٹر تک پہنچتے پہنچتے طلبا اِسلامیات وعصریات کی بنیادی تعلیمات سے خاطر خواہ بہرہ مند ہوسکتے ہیں، اِس لیے انھیں یہ سہولت بھی فراہم کیا جانا چاہیے کہ وہ اپنی مرضی کے

مطابق تعلیمی میدان کو اختیار کریں۔ یعنی عالمیت/انٹر پاس افراد کو یہ اختیار ہونا چاہیے کہ یا تو وہ فضیلت کی طرف قدم بڑھائیں یا پھر اپنے ذوق وشوق کے مطابق کالجز کی طرف، اور ڈاکٹری، انجینئرنگ، اکنامس، بینکنگ وغیرہ کی دنیا میں اپنا مقام حاصل کریں۔

بی اے (سابعہ ثامنہ/فضیلت) کی سطح پر تعلیمی نظام کی دو نوعتیں ہو جاتی ہیں: موجودہ تعلیمی پالیسی کے مطابق تین سال کی مدت اور جدید پالیسی ۲۰۲۰ء کے تحت چار سال کی مدت، لہٰذا جدید پالیسی جب نافذ ہو جائے تو اُس کے سال آخر میں اُصول تحقیق وتنقید کے مضامین کی شمولیت زیادہ مفید ثابت ہو سکتی ہے۔

اس سلسلے میں قانونی چارہ جوئی کے بعد اگر یونیورسٹیوں سے فضیلت کے الحاق کی صورت نکلتی ہے اور فضیلت کو اگر ڈگری کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے تو مدارس کا تعلیمی نظام بڑی آسانی سے مین اسٹریم ملکی تعلیمی نظام کا حصہ بن جائے گا اور یہ انقلابی قدم ہوگا۔

اِس کے علاوہ حسب ذیل چند باتوں کو ملحوظ رکھنا بھی مدارس کے حق میں بے حد مفید ثابت ہو سکتا ہے، مثلاً:

1۔ اساتذہ کی تربیت: جدید تدریسی طریقوں اور ٹیکنالوجی کے اِستعمال اور طلبا کی ذہنی نشو ونما کے پیش نظر اَساتذہ کو بطورِ خاص ٹریننگ دی جانی چاہیے اور اُنھیں جدید اُصول تدریس وتربیت سے واقف کرانا چاہیے۔ جیسا کہ عصری اداروں میں جب تک بی ایڈ نہیں کر لیا جاتا اُس وقت تک بحیثیت اُستاذ کسی کی بحالی نہیں ہوتی۔ چناں چہ بی ایڈ کے طرز پر ہی بڑے مدارس اپنے یہاں اساتذہ کی یک سالہ ٹریننگ کا انتظام کریں اور ٹریننگ میں کامیابی کے بعد ایک سند جاری کریں اور اُسی بنیاد پر تمام مدارس میں اساتذہ رکھے جائیں، تو بہت حد تک تعلیمی نظام میں اصلاح ہو سکتی ہے اور طلبا دین ودنیا دونوں راہوں پر فخریہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔

امتحانی نظام میں تبدیلی: رٹّا سسٹم اور محض نصاب کی تکمیل کے بجائے ایک ایسا امتحانی نظام رائج کیا جائے، جس سے اِفہام وتفہیم، تجزیہ اور تخلیقی صلاحیتیں نکھر سکیں۔ آخر کیا وجہ تھی کہ ماقبل کے زمانے میں نصاب کی تکمیل کے بغیر طالب علم اِس قابل ہو جاتا تھا کہ بہتر افہام وتفہیم کر لیتا تھا، نیز اُس کے اندر تجزیہ کرنے کی عمدہ صلاحیت پیدا ہو جاتی تھی اور تخلیقی صلاحیت بھی پختہ رہتی تھی!

جدید سہولیات کی فراہمی: مدارس میں کمپیوٹر لیب، لائبریری اور جدید تدریسی وسائل مہیا کیے جائیں، تاکہ طلبا جدید دنیا سے ہم آہنگ ہو سکیں۔ بلکہ کم سے کم ایک پرچے کا امتحان کمپیوٹر کے ذریعے (CBT Mode) لیا جائے، تاکہ طلبا اگر کہیں عصری اداروں میں جائے اور اُسے کمپیوٹرائز امتحان دینا پڑ جائے، تو کسی اجنبیت اور گھبراہٹ کا احساس نہ ہو اور وہ بے لاخوف وخطر اپنا کام پورا کر سکیں۔

کاروباری اور فنی تعلیم: مدارس میں معاشی ہنر مندی کی تعلیم وتربیت پر بھی فوکس ہونا چاہیے، جیسے کمپیوٹر پروگرامنگ، الیکٹریکل، سلائی-کٹائی، اگریکلچر، باغبانی یا شجر کاری وغیرہ، یہ بہترین متبادل ہیں، مدارس میں ان سب کو فروغ دینے کی ضرورت ہے، تاکہ وہ طلبا جو دینی علوم سے زیادہ شغف نہیں رکھتے ہیں انھیں بیسک دینی تعلیم دینے کے ساتھ اس طرح کی ہنر مندی سے مزین کیا جا سکتا ہے۔ اِس سے دو فائدے ہوں گے:

1۔ ہمارے طلبا دین فروشی نہیں کریں گے۔

2۔ دنیوی مشاغل میں رہتے ہوئے اپنے کردار وعمل سے دین کی خدمات بھی انجام دے سکیں گے۔

حاصل کلام یہ کہ مدارس کی اصل روح دین کی خدمت ہے اور یہ مقصد اپنی جگہ قائم رہے، لیکن اُس کے ساتھ ساتھ وقت کی ضرورت ہے کہ ان اداروں کو جدید خطوط پر اُستوار کیا جائے۔ اصلاحات کا مقصد دینی شناخت کو ختم کرنا نہیں، بلکہ اس کی افادیت کو عصرِ حاضر کے مطابق بڑھانا ہے۔ ایک متوازن نصاب، تربیت یافتہ اساتذہ، جدید وسائل، اور ذہنی کشادگی مدارس کو نہ صرف موثر تعلیمی ادارے بنا سکتے ہیں بلکہ اُنھیں ملت کا رہنما اور ترقی کا ستون بھی بنا سکتے ہیں۔

▪▪

گوشۂ ادب

2

فانی گورکھپوری کی شعری کائنات

ایک جائزہ

ڈاکٹر صابر رضا رہبر مصباحی

اس مشاعرہ کا ذکر کرتے ہوئے جناب اثیم خیر آبادی رقم طراز ہیں کہ ”میرے والد اور جگر بسوانی کے مابین خصوصی تعلقات تھے۔ میرے والد ہی کی وساطت سے جگر بسوانی حضرت فانی کی علمی و ادبی شخصیت سے متعارف ہوئے اور ان کو حضرت فانی سے ملاقات کا اشتیاق ہوا، یہاں تک کہ انھوں نے حضرت فانی کو اپنے وطن بسواں میں مدعو بھی کیا تھا جس میں حضرت فانی کی شرکت تو نہیں ہوئی تھی، البتہ آپ کا کلام ضرور پہنچا تھا۔ جب جگر بسوانی کی ملاقات حضرت فانی سے ہوئی تو انھوں نے یاد دلاتے ہوئے کہا کہ:

”آپ کو تکلیف دینا چاہی تھی۔ خیر آپ تو معذور رہے۔ غزل پہنچی تھی۔ یہ شعر تو گویا حاصل مشاعرہ رہا

اے دست کرم ہمت سائل کی ذرا شرم
”کونین سے بھرتے نہیں دو ہاتھ دعا کے“

(مقدمہ دیوان فانی، ص:166-167، ناشر شاہ عبد العلیم آسی فاؤنڈیشن، نئی دہلی)

اس شعر کی اہمیت و معنویت پر تبصرہ کرتے ہوئے اثیم خیر آبادی نے لکھا ہے:

”واقعی شعر ہی کچھ ایسا ہے کہ جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ معلوم تو یہی ہوتا ہے کہ ایک مشاعرہ کیا، یہ شعر اپنے مضمون کی نوعیت کے اعتبار سے اس زمین میں جتنے مشاعرے ہوں، سب کا حاصل رہے گا۔“ (مصدر سابق، ص:67)

یہ ایک حقیقت ہے کہ اردو زبان و ادب کے فروغ میں مشاعروں کا اہم کردار رہا ہے یہ الگ بات ہے کہ آج کل مشاعرے کا اسٹیج مقابلہ جاتی قوالی میں تبدیل ہو گیا ہے جسے مشاعرے کی پاکیزہ روایت یقینی طور پر داغ دار ہوئی ہے۔ ماضی میں معیاری مشاعرے ہوتے جہاں ادب و تہذیب کا دیا جگمگاتا تھا، نئی نسل کو ادب کی روشنی ملتی اور ان کی ادبی تربیت و پرداخت بھی ہوتی۔ استاد شعرا کے اپنے شاگردوں کی جلو میں اسٹیج پر رونق بار ہوتے۔ شعرا کے مابین اسٹیج پر ایک دوسرے کو مات دینے کی پوری کرشماتی کوشش کے باوجود تہذیب کا دامن کسی کے ہاتھ نہیں چھوٹتا۔ کبھی کبھی اسٹیج پر ہی طرح دیا جاتا اور شعرا فی البدیہ کلام سے مجمع میں سماں باندھتے۔ مشاعرہ کے اسٹیج پر اپنے کلام کی مقناطیسیت سے مجمع کو اپنی جانب متوجہ کرنا آسان نہ تھا کہ مشاعرہ کے سامعین بھی باذوق اور ادب کا ستھرا مذاق رکھتے تھے۔ حضرت فانی نہ صرف ادبی و شعری نشستوں اور محفلوں میں حصہ لیتے بلکہ لکھنو، کانپور، گورکھ پور اور دہلی کے مشاعروں میں شرکت بھی کرتے اور جہاں نہ شرکت ممکن نہ ہوتی وہاں طرح پر اپنا کلام بھیج دیتے۔ مشاعروں میں ان کا اپنا رنگ ہوتا جو خوب جمتا تھا۔ ایک بار جناب فانی ایک دن کے لیے لکھنو گئے جہاں انھیں دو دن بعد کانپور میں منعقد ہونے والے طرحی مشاعرے کی دعوت ملی۔ مصرع طرح تھا ع

جگر میں ڈھونڈھتی پھرتی ہے تیغ ناز قاتل کی

ہوٹل میں قیام تھا اور رات میں ہی پینتیس اشعار پر مشتمل غزل کہہ لی۔ شام کو حضرت افضل سے ملاقات ہوئی۔

سینئر سب ایڈیٹر روزنامہ انقلاب، پٹنہ۔ Mob 8804542020

کھانے کے دوران کہا کہ ”غزل ہوگئی“۔ وہ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ ” میرا قیاس ہے کہ آزاد لکھنوی (حکیم لکھنوی کے نواسے) کی غزل سب سے اچھی رہے گی“۔ انھوں نے کہا: ”میں غزل تو نہیں سننا چاہتا، ان کے بہترین قوافی بتا دیجیے تو میں بھی طبع آزمائی کر دیکھوں“۔ جناب فانیؔ نے ساحل، قاتل، محفل، بسمل چند قافیے بنائے۔ انھوں نے پھر شب بیداری کی۔ پینتیس شعر کی دوسری غزل کہہ لی۔ دونوں کانپور مشاعرہ میں پہنچ گئے۔ مشاعرہ دس بجے شب سے شروع ہوا۔ دوسرے دن پانچ بجے شام کو ختم ہوا۔ ان کی باری چار بجے شام کو آئی۔ ختم مشاعرہ کے قریب حضرت فاضل نے تعارف پیش کیا اور بتایا کہ ایک دن کے لیے لکھنو آئے تھے۔ میرے اصرار سے یہاں چلے آئے اور غزل بھی کہہ لی۔ غزل شروع کی تو جوان کا اثر جما، وہ کسی کا نہیں جما تھا۔ حضرت ناطق بھی تھے، حیرت سے ان کا منھ دیکھ رہے تھے۔ حضرت افضل دل کھول کر داد دے رہے تھے اور حضرت فصاحت رسمی۔ کلام سے متاثر نہ ہونا اہل کمال کا شیوہ نہیں۔ تعجب ہے! تمام مشاعرہ مصرع کا شاکی تھا۔ انھوں نے تضمین پڑھی تو حضرت افضل جوش میں آکر کھڑے ہوگئے اور فرمایا ”دنیا میں اس سے بہتر اور کوئی تضمین نہیں کر سکتا۔ اس مہمل مصرع کو بامعنی بنا دیا اور اتنی بے مثل تضمین کی“۔

جناب فصاحت نے چپکے سے کہا ”کیا ایک پوربی کو بڑھاتے ہو؟“۔

جناب افضل نے بآوازِ بلند جواب دیا: ”جس کو سب نے سنا کہ اس غزل کی داد نہ دینا اپنے کمال میں دھبا لگانا ہے“۔

یہ سنتے ہی یا تو وہ مسند سے ٹیک لگائے نیم دراز تھے اور اوپری دل سے آواز کھینچ کر واہ واہ کر رہے تھے یا سنبھل کر بیٹھ گئے۔

مشاعرے کے بعد حضرت ناطق ان کے پاس آکر بخصوصیت ملے، فرمایا: ”آپ کی ذہانت کی تعریف سنا کرتا تھا۔ اتنا نہیں جانتا تھا۔ واقعی آپ کا دماغ کام کرتا ہے“۔

انھوں نے ایک مہمل سے مصرع پر یوں گرہ لگائی تھی۔

کہیں پر رہ گیا ہے چھپ کے شاید چور زخموں کا
جگر میں ڈھونڈھتی پھرتی ہے تیغ ناز قاتل کی

فانی گورکھ پوری نے متعدّد سہرے بھی لکھے ہیں۔ انھوں نے استاذ ذوق اور غالب کے مشہور سہرے کی زمین پر بھی سہرا لکھا ہے۔

جناب ذوق کے سہرے کا مطلع ہے۔

اے جواں بخت مبارک تجھے سر پر سہرا
آج ہے یمن و سعادت کا ترے سر سہرا

جب کہ مرزا غالب کے سہرے کا مطلع ہے۔

خوش ہو اے بخت کہ ہے آج ترے سر سہرا
باندھ شہزادہ جواں بخت کے سر پر سہرا

جناب فانی کے سہرے کا مطلع دیکھیں۔

کیا بندھا عید میں نوشاہ کے سر پر سہرا
عید سہرے کی ہوئی ہے کہ چڑھا سر سہرا

سہرے لکھنے کی فرمائش کے ساتھ یہ بھی گزارش کی گئی کہ عقد عید میں ہوگا اس لیے سہرے میں عید کا ذکر ہونا ضروری ہے۔ جناب فانی کس فنی خوبصورتی کے ساتھ مطلع میں ہی اسے نبھا دیا ہے۔ سہرے چند اشعار کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

جب تک اختر کو فلک پر ہے تڑپ یا اللہ
جب تک کرنوں سے ہے مہر کے منہ پر سہرا
رہیں دولہا دلہن اس طرح خوشی سے توام
جیسے نوشاہ کے رخسار سے مل کر سہرا
جتنے بدخواہ ہیں نوشاہ کے تا دور فلک
لوٹیں اختر کی طرح دیکھ کے منھ پر سہرا

فانی گورکھ پوری کی شاعری کا جائزہ لیتے ہوئے اس بات کا شدت سے احساس ہوتا ہے کہ اپنے عہد کا عظیم شاعر ناقدین علم وادب کی نظروں سے اوجھل کیسے رہا۔ ایسا بھی نہیں وہ ایک پیر

طریقت، صوفی باصفا کے ساتھ محض ایک مولوی تھے، بلکہ انھیں متعدّد اصناف سخن پر قدرت حاصل تھی۔ ان کے عہد کے ادبی رسائل میں ان کے کلام تواتر سے شائع ہوتے تھے۔اس دوران ان کی فکر ایسی چمکی کہ وہ دوغزلہ سہ غزلہ کہتے تھے اور ہر غزل طویل ہوتی جس میں نادر ونایاب اور عمدہ قافیہ ہوا کرتے تھے۔اپنے طور پر قافیے کا کوئی بھی نفیس پہلو اٹھا نہیں نہ رکھتے تھے۔پھر بھی ایسی عظیم شخصیت جن کی شعری عظمت اور فنی کمال کا اعتراف ان کے معاصرین علم وادب اور اہل شعر وسخن نے کیا ہوا، جن کلام مشاعروں میں حاصل مشاعرہ قرار پائے، جن کی شرکت مشاعرے کی کامیابی کا ضامن ہو، ایسی بلند پایہ شخصیت کی علمی، ادبی اور شعری خدمات سے آج کی نئی پود کا ناواقف رہنا بلکہ ان کے تذکرہ پر منھ کھلا رکھ کر حیرت کا مجسمہ بن جانا تعجب خیز ہی نہیں باعث تشویش بھی ہے۔ناقدین علم وادب کی نظروں سے فانی گورکھ پوری کا سرمایۂ شعر وادب کیوں کر اوجھل رہا اس سوال جواب تلاش کیا جانا چاہیے۔

▪▪▪▪▪▪

”یہ کہنا کہ مذہبی نظریہ ادب میں کوئی اہمیت نہیں رکھتا، غلط ہوگا، علاوہ اس کے کہ ماضی میں اس کے اثرات سارے ادب پر ملتے ہیں۔ حال میں بھی یورپ میں رومن کیتھولک عقائد کا پرچار اہمیت اختیار کر گیا ہے اور ہندوستان اور پاکستان میں کروڑوں آدمی گہرے مذہبی اثرات کی وجہ سے اس کے ذریعے سے نشہ اور نجات تلاش کرتے ہیں، اس لیے سوال اس کی صحت اور غلطی کا اتنا نہیں جتنا اس کے جامع یا محدود ہونے کا۔ یہ ادب کے تقاضوں کو پورا کرنے کا سوال ہے۔“

(پروفیسر آل احمد سرور لکھتے ہیں)

دنیا کی دیگر زبانوں کے ادب کے بر خلاف اردو ادب کا یہ ایک بڑا المیہ رہا ہے کہ ادب کے دائرے سے مذہب کو خارج کرنے کی سعی مذموم کی جاتی رہی ہے، حالانکہ اردو ادب روز اول ہی سے مذہبی اور روحانی اقدار سے سرشار ہے۔▪▪▪

(ص:۳۴ کا بقیہ)

بعض لوگوں کے بالوں کے لیے انڈا بھی مفید رہتا ہے یعنی جیسے ہی بال گرنے کا سلسلہ شروع ہو تو ہفتہ میں کم از کم ایک مرتبہ ایک انڈے کی زردی اور سفیدی کو یکجا کر کے اس سے سر کی مالش کی جائے، چند گھنٹوں کے بعد ہلکے گرم پانی سے سر کو دھویا جائے انڈے کی بو تو ناگوار گزرتی ہے لیکن یہ نسخہ آزمودہ اور مجرب ہے۔

اگر بال اگیں گے نہیں تو گریں گے بھی نہیں ۔ جن لوگوں کو گنجے پن کی شکایت پہلے سے ہو یا گنجاپن ابھی پیدا ہو رہا ہو انھیں یاد رکھنا چاہیے کہ اس کا سبب صرف ان کے سر تک محدود نہیں ہوتا بلکہ کبھی بعض غدود کے ناقص فعل اس کے لیے ذمہ دار ہوتے ہیں لہذا اس طرف بھی توجہ کرنا چاہیے کہ بعض اوقات (High Blood Pressure) یا فشار الدم، تھائیرائیڈ کے کم یا بڑھنے کی وجہ سے اور خون کی کمی سے، امراض قلب، نقص جگر، ونقص ریاح و معدہ اور ایسے ہی دوسرے امراض کے نتیجے میں بھی سر کے بال گرنے لگتے ہیں۔

چند نسخے بالوں کی صحت کیلئے:

بالوں کو سیاہ کرنے اور گرنے سے روکنے کے لیے چند اہم نسخے پیش نظر ہیں جن کو آپ عمل میں لا سکتے ہیں۔

1۔ شیکاکائی اور آملہ کے پانی سے سر دھو کر ناریل کا تیل لگانے سے سفید بال کالے ہونے لگتے ہیں

2۔ ریٹھ، شیکاکائی اور آملہ کے پانی سے سر کو دھونے سے بال ریشمی ملائم اور لمبے ہو جاتے ہیں

3۔ لیموں کا ٹکڑا سر میں ملنے سے بالوں کا گرنا رک جاتا ہے۔

4۔ بالوں کے لیے سب سے بہترین روغن آملہ کا ہوتا ہے جو بالوں کے موافق ہوتا ہے اس کے استعمال سے بالوں کو فائدہ ہوتا ہے (جو بازار میں روغن آملہ سادہ کے نام سے دستیاب ہے)۔▪▪▪▪▪

نقد و نظر

سلسبیل

عشق و عقیدت کا چھلکتا ہوا روحانی جام

تبصرہ نگار: مہتاب پیامی

ہمارے مطالعے کی میز پر موجود ہے "سلسبیل"، یہ نعتیہ مجموعہ سید محمد نور الحسن نور نوابی کے نعتیہ افکار کا حسین گل دستہ ہے۔ اس کے ناشر ہیں دبستان نوابیہ عزیزیہ پبلی کیشنز فتح پور اور تقسیم کار ہیں آستانہ عالیہ نوابیہ قاضی پور شریف پوسٹ منڈوہ ضلع فتح پور یوپی، انڈیا۔ ۱۴۴ صفحات پر مشتمل اس کتاب کی قیمت ہے ۳۰۰؍ روپئے۔

سید محمد نور الحسن نور نوابی عزیزی عصرِ حاضر کے ممتاز نعت گو شاعر ہیں، انھوں نے اردو تقدیسی شاعری کو ایک نئے وقار کی منزل سے روشناس کرایا ہے۔ ان کا زیر نظر مجموعہ نہ صرف فنی و فکری اعتبار سے ممتاز ہے بلکہ روحانی ذوق کے حامل قاری کے لیے بھی تسکینِ قلب کا بہترین ذریعہ ہے۔ کتاب کے عنوان پر غور کیا جائے تو صاف ظاہر ہے کہ "سلسبیل" عنوان خود قرآنی لطافتوں کا حامل ہے — جنت کی ایک نہر کا نام، جو پاکیزگی، نورانیت اور ابدی لطافت کی علامت ہے۔ شاعر نے اسی علامتی جنتی کیفیت کو اپنے نعتیہ کلام میں سمونے کی سعی بلیغ کی ہے۔ اس میں شامل نعتیں کلاسیکی ادب، اسلامی فکر اور عرفانی شعور کا حسین امتزاج ہیں۔

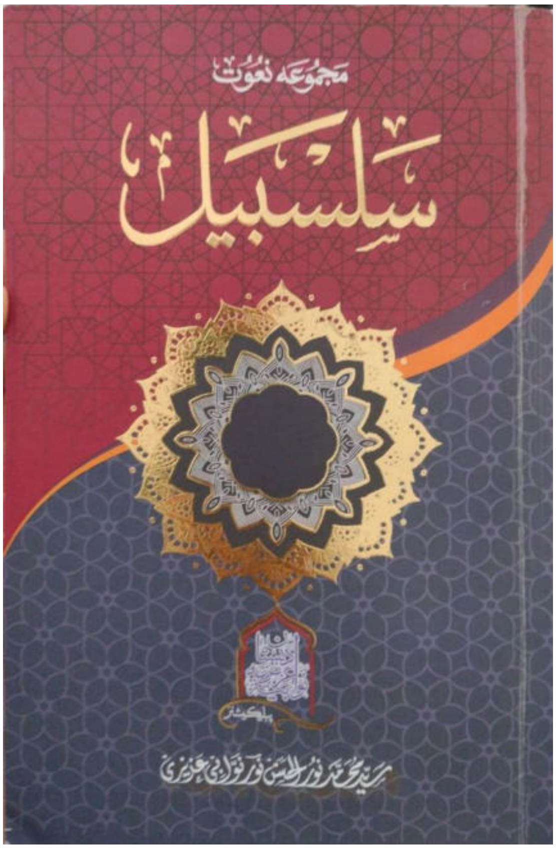

شاعر کا اسلوب روایتی احترام و محبت کے ساتھ ساتھ فکری گہرائی کا بھی مظہر ہے۔ ان نعتوں میں صرف جذباتی اظہار ہی نہیں بلکہ ایک علمی، قرآنی، اور صوفیانہ طرزِ فکر بھی نمایاں ہے۔

باضابطہ عروضی نظام کے تحت کہی گئی نعتوں میں، الفاظ کی سادگی کے ساتھ معنیٰ آفرینی کا سمندر موجیں مارتا نظر آتا ہے، اندازِ بیان کی ندرت اور پُر کاری نے ایک ایسی فضا تشکیل دی ہے جس کے سحر سے دلوں کو آزاد نہیں کیا جا سکتا۔ عربی اور فارسی الفاظ کے امتزاج، سے فضاے نعت کو روحانیت کے آسمانوں تک وسیع کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے۔ تشبیہات واستعارات میں احتیاط کے ساتھ بلند خیالات کو شامل کیا گیا ہے تاکہ ادب کے دائرے میں رہ کر دامنِ تقدیس کو محفوظ رکھا

جا سکے۔

"سلسبیل" کا مطالعہ واضح کرتا ہے کہ شاعر محض حمد و ثنا کے روایتی سانچے میں محصور نہیں بلکہ روحانی حقیقتوں کا شائق ہے۔ ان نعتوں میں عشقِ مصطفیٰ ﷺ کی وہ شعوری کیفیت جھلکتی ہے جو قاری کو سلوک و عرفان کے مراحل کی طرف مائل کرتی ہے۔ زیرِ نظر مجموعے کے اشعار سیرتِ طیبہ کا شعری بیان، مقامِ رفیع و شفیع، معجزاتِ نبوی کی نظم نگاری، مدینہ منورہ کی جمالیاتی تصویریں، اُمت کے لیے فکری درد و دعا جیسے اہم ترین موضوعات کا احاطہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

اصل میں "سلسبیل" صرف نعتیہ کلام کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک روحانی سفرنامہ ہے، جو ادب کے قاری کو محبتِ رسول ﷺ کے آفاقی ذائقے سے آشنا کرتا ہے۔ محمد نور الحسن نور نوابی نے اس مجموعے کے ذریعے نعتیہ ادب کو نئی جہتیں بخشی ہیں، جس میں جمال بھی ہے، کمال بھی، اور وصال کا اشارہ بھی۔

ہم یہاں چند منتخب اشعار اور ان کا تجزیہ پیش کریں گے:

ہر ایک آنکھ کا ہے یہ ہی فیصلہ اب تک
مرے نبی کوئی تجھ سا نہیں ہوا اب تک
مرے چراغ ہیں لیکن لویں تمھاری ہیں
تمھارے نام سے روشن ہے گھر مرا اب تک

نورؔ صاحب کے ان اشعار میں جذبۂ عقیدت اور فکری لطافت کا حسین سنگم ہے، ان اشعار کو اگر "سلسبیل" کے اسلوب و فضا میں رکھ کر دیکھا جائے تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شاعر روایتی نعت گوئی کو جمالیاتی اور عرفانی رفعت عطا کر رہا ہے۔ غور کیا جائے تو احساس ہوتا ہے کہ مذکورہ پہلے شعر میں اجماعِ امت اور عالمی شہادت کو بیان کیا گیا ہے۔ "ہر ایک آنکھ کا فیصلہ" صرف انسانی گواہی نہیں بلکہ کلیاتی عرفانی احساس ہے، جب کہ دوسرے شعر میں انتہائی عارفانہ انداز میں شاعر اپنے ہونے کو تسلیم کرتا ہے لیکن اپنے وجود کی روشنی کا ماخذ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو قرار دیتا ہے اور بہ بانگ دہل اعلان کرتا ہے کہ یہ میری ہستی تو محض ایک ظرف ہے، میں اصل میں نورِ نبوت کی رحیمانہ تجلیات سے روشن ہوں۔ یہ اسلوب صوفیانہ فکر کے اس مقام سے منسلک ہے جسے اصطلاحِ تصوف میں "فنافی الرسول" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

پھر آخری مصرع میں روحانی نسبت کی وہ گواہی موجود ہے جو شاعر کی نعتیہ شاعری کا جوہر ہے — یعنی نسبتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستگی ہی زندگی کا اصل مقصد ہے۔ یہاں لفظ "نام" محض چند حروف کا مجموعہ نہیں بلکہ وجودِ معنوی، نسبتِ قدسیہ، اور نُورِ رسالت کی علامت ہے اور "گھر" صرف مکان نہیں بلکہ دل، حیات، نسل، بقا، اور ہستی کی تمثیل، گویا شاعر یہ کہتا ہے کہ، میرے آقا! یہ جو کچھ روشنی ہے، وہ تمھاری نسبت سے ہی ہے، اگر یہ نسبت میسر نہ ہوتی تو میں (ہی نہیں بلکہ پورا عالم) اندھیروں میں گم ہو جاتا۔

ایک اور شعر ملاحظہ کیجیے۔

مصطفیٰ یا مصطفیٰ! وہ حبس کا عالم ہوا
آمد و شد سانس کی الجھی ہے، گھبراتے ہیں ہم

یہ شعر بھی نہایت بصیرت آمیز اور وجدانی کیفیت کا حامل ہے۔ سچ پوچھیے تو یہ محض ایک نعتیہ شعر نہیں، بلکہ عصرِ حاضر کی روحانی گھٹن اور اجتماعی بے چینی کا ایک علامتی اظہار ہے۔ شعر کا آغاز شاعر کی "ندائے نیاز" اور "حالتِ اضطراب" میں اس کے دل کی فطری صدا ہے، پھر اس کے ساتھ ساتھ لفظ "مصطفےٰ" کا مکرر استعمال زبان کی تھرتھراہٹ کا مظہر اور دل کی مکرر بے قراری کا اشارہ۔ اصل میں یہ ندا محض فریاد نہیں، ایک روحانی استعانت کی جستجو ہے، گویا شاعر کہتا ہے: یا رسول اللہ! ہم پر یہ وقت سخت ہے، اور آپ ہی ہماری پناہ ہیں۔ آگے شاعر نے "وہ حبس کا عالم" کہہ کر صرف فزیکل اور جسمانی گھٹن نہیں بلکہ

سیاسی، سماجی، فکری اور روحانی گھٹن کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ شاعر ایسے ماحول اور ایسی فضا کا ذکر کر رہا ہے جہاں سانس تک لینا دشوار ہو گیا ہے، یعنی اپنی اصل میں یہ مصرع معاشرتی جبر، دینی زوال، اور انسان کی تنہائی کا ایک گہرا عکس ہے۔

دوسرے مصرع میں ”آمد و شد سانس کی الجھی ہے“ کہہ کر، فطری حیات کی روانی میں رکاوٹ، حیاتِ قلبی و روحانی کے بگاڑ، اضطراب، گھٹن، اور سکونِ قلب کے فقدان کی جو دردناک صورت منظر کشی کی ہے وہ بے مثال ہے۔ عام طور پر یہ کیفیت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب انسان اپنے ”مرکزِ سکون“ سے کٹ جائے، اور وہ مرکز ہے رحمۃ للعالمین راحۃ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی۔

آگے انھوں نے کہا: ”گھبراتے ہیں ہم“ اصل میں یہ گھبراہٹ انفرادی نہیں، پوری امت، اور پورے زمانے کی گھبراہٹ ہے، یہ روحانی صیغۂ جمع ہے، یعنی شاعر تنہا نہیں، اس کی گھبراہٹ، اس کی پکار، پوری انسانیت کی نمائندگی کرتی ہے۔

مذکورہ شعر بظاہر انتہائی آسان ہے لیکن اس کے مفہوم میں جو گہرائی اور گیرائی ہے اسے محض چند الفاظ یا کسی تجزیاتی نوٹ کے ذریعہ نہیں ناپا جا سکتا۔ یہ شعر کسی مخصوص واقعے، قوم یا فرد کی بات نہیں کرتا، بلکہ زمانے کی اجتماعی فریاد ہے۔ شاعر کی پکار میں محبت بھی ہے، حاجت بھی، اضطراب بھی اور استغاثہ بھی۔ یہ ایک ایسا نعتیہ شعر ہے جو محض تعریف نہیں، بلکہ استغاثۂ محبت بن جاتا ہے۔

اب ایک اور شعر دیکھیے۔

سر میرا پاؤں بن گیا ان کے دیار میں
دل نے مرے درِ شہِ والا اٹھا لیا

میرے خیال میں یہ شعر نعتیہ ادب کے اعلیٰ ترین عرفانی اشعار میں شمار کیا جانا چاہیے کیوں کہ اس میں عشق، ادب، فنا، اور روحانی جذب کی وہ کیفیات شامل ہیں جنھیں صرف محسوس کیا جا سکتا ہے، بیان کرنا آسان نہیں۔

شعر کا پہلا مصرع ”تسلیم“ کا اظہار ہے کہ شاعر جب دیارِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہوتا ہے، تو اس کا سر، جو دنیا میں عزت، سربلندی اور انا کی علامت ہے، پاؤں کی جگہ لے لیتا ہے۔ یعنی دیارِ اقدس میں قدم رکھتے ہی، عقل، غرور، مرتبہ، سب کچھ جھک جاتا ہے۔ ”میں“ کا وجود ختم ہو جاتا ہے اور باقی بچتا ہے صرف ادب۔ ”سر کا پاؤں بن جانا“ وہی مقام ہے جسے اقبال نے کہا:

عقل کو تنقید سے فرصت نہیں
عشق پر اعمال کی بنیاد رکھ

اصطلاح تصوف میں ”سر“ کو نفسِ اعلیٰ یا مرکزِ وجود کا درجہ حاصل ہے، جب یہ پاؤں ہو جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا پورا وجود تواضع، ادب، اور تسلیم میں ڈھل گیا۔

دوسرا مصرع ” دل نے مرے درِ شہِ والا اٹھا لیا“ کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ شاعر کے دل نے اُس دروازے کو ”اٹھا لیا“ جو شہنشاہِ بلند مرتبہ صلی اللہ علیہ وسلم کا در ہے۔ جب کہ اس کا عرفانی تاثر یہ مرتب ہوتا ہے کہ عشقِ رسول کی وہ انتہائی کیفیت طاری ہے جہاں دل درِ نبی کو اپنے اندر سمو چکا ہے، خارج کی جستجو تمام ہو چکی ہے اور دل خود دروازۂ طیبہ بن چکا ہے۔

یہ عشق کی وہ معراج ہے جہاں دل اس قدر نورانی ہو گیا ہے کہ اس میں درِ حبیب کا عکس نظر آتا ہے۔ یہ شعر قاری کو صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نہیں سکھاتا، بلکہ ایک منہجِ عشق عطا کرتا ہے؛ کہ پہلے سر کو پاؤں بناؤ یعنی اپنی انا کے سر کو خم کر دو پھر دل کو اس قدر پاک کرو کہ وہ درِ حبیب کا ظرف بن جائے۔

مزید ملاحظہ ہوں۔

فکر کرتی ہے درِ ساقیِ کوثر کا طواف
اس لیے کرتا ہے مہتاب مرے گھر کا طواف
میرا دل چومنے نکلا جو درِ شاہِ امم

میری آنکھوں نے کیا طیبہ کے پتھر کا طواف

یہ اشعار محض توصیفی بیانات نہیں بلکہ تصوف، فکر و فن، عشقِ محمدی، اور روحانیت کی ایک مکمل تشریح ہیں۔ یہ وہ نعتیہ تخیل ہے جو زمان و مکان سے ماورا ہو کر قاری کو طوافِ محبت کا شعور عطا کرتا ہے۔

یہاں "فکر" محض سوچ کا عمل نہیں بلکہ روح کی جستجو، عقل کی عاجزی، اور شعور کی معراج ہے وہ فکر درِ ساقیِ کوثر کا طواف کرتی ہے، یہ تو لازمی ہے؛ "فکر" جب بھی عشق کی حد میں داخل ہوگی، تو اسے درِ مصطفیٰ ﷺ کے گرد طواف کرنا ہی پڑے گا۔ اس میں شاعر نے اس علامتی زبان کا استعمال کیا ہے جو اقبالؔ، جگرؔ، اور وارث شاہ کے روحانی تخیلات کی یاد دلاتی ہے۔

پھر شاعر نے "اس لیے کرتا ہے مہتاب مرے گھر کا طواف" کہہ کر ایک روحانی تمثیل پیش کی ہے۔ اس ترکیب سے شاعر یہ کہنا چاہتا ہے کہ: جب فکر درِ مصطفیٰ ﷺ کے گرد طواف کرنے لگے، تو کائنات کی ہر روشنی (بشمول مہتاب) خود بخود اس وجود کی طرف کھنچ آتی ہے جس میں یہ طواف جاری ہے۔ اور اس عظیم الشان عرفانی منطق کا خلاصہ کیا ہے کہ محبت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی مرکزِ کائنات ہے۔

دوسرے شعر میں شاعر نے دل کو ایک زائر بنایا ہے، جو مدینہ کی گلیوں میں، ادب کے ساتھ، درِ اقدس کو چومنے نکلتا ہے۔ یہ دراصل فنا فی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ صورت ہے جسے الفاظ نہیں بلکہ صرف آنسو ہی بیان کر سکتے ہیں۔ دوسرے مصرع میں شاعر کا روحانی عشق اپنی معراج پر پہنچتا ہوا نظر آتا ہے جب وہ یہ کہتا ہے "میری آنکھوں نے کیا طیبہ کے پتھر کا طواف"۔۔۔ "کعبہ کا طواف کرنا" وہ کیفیت ہے جو حاجی کعبۃ اللہ کا دیدار کر کے محسوس کرتا ہے۔ لیکن یہاں "پتھروں کا طواف" ہے، جو اس بات کی علامت ہے کہ: جب عشق سچا ہو، تو طیبہ کی خاک، دیواریں، پتھر، سب مقدس بن جاتے ہیں۔

سنگ و خشت و خار و خاکِ شہرِ طیبہ دیکھیے
مثلِ کعبہ ہیں مقدس پائے رحمت کے طفیل

حقیقتاً شاعر کے یہ اشعار محض جمالیاتی یا نعتیہ اظہار نہیں، بلکہ عاشقانہ عرفان کا ایسا مکمل مرقع ہیں جو قاری کو روح کی گہرائیوں میں اتار دیتا ہے۔ ان اشعار میں فکر کا ہدف بھی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، کائنات کا محور بھی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، دل کی حرکت بھی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آنکھوں کی بندگی بھی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

ما سوائے مصطفیٰ کچھ بھی نظر آتا نہیں
بولو کیا کچھ اور بھی ہے ما سوائے مصطفیٰ

شاعر کے یہ اشعار دراصل عشقِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا طواف نامہ ہیں — جہاں دل، آنکھ، فکر، اور کائنات سب درِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد گردش میں ہیں۔ یہ وہ ادب ہے جو نعت کے ذریعے کائناتی مرکزیت کو بیان کرتا ہے۔ یہاں "طواف" ایک جسمانی حرکت نہیں بلکہ باطنی حیات کی سب سے اعلیٰ حرکت ہے، جو ہمیں طیبہ کے پتھروں سے عشق سکھاتی ہے۔

مجموعۂ کلام "سلسبیل" میں اس قبیل کے بے شمار اشعار ہیں، یہ صرف ایک نعتیہ مجموعہ نہیں، بلکہ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ جمالیاتی تفسیر ہے، جس میں لفظ عبادت بن گئے ہیں، احساسات عبادت گاہ، اور شعر نعتیہ سر خمیدگی کا علامت۔ محمد نور الحسن نور نوابی عزیزی نے جمالِ ایمان، فنِ ادب، اور روحِ عشق کو یکجا کر کے ایک ایسا فن پارہ تخلیق کیا ہے جو حسّی، فکری، اور روحانی جمالیات کی تکمیل کرتا ہے۔ نعتیہ ادب کے شائقین کو اس کتاب کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے۔ کتاب کی طباعت انتہائی عمدہ کاغذ پر کی گئی ہے اور پروف کی غلطیاں نہ ہونے کے برابر ہے۔ ہمیں امید ہے کہ نور صاحب آئندہ بھی عشق و عرفان کے سورجوں سے کائنات فکر و فن کو منور کرتے رہیں گے۔ نسأل اللہ القبول والإخلاص۔ ✻✻

سفر آخرت

موت اس کی ہے کرے جس پہ زمانہ افسوس

مولانا اکرم علی کا وصال — تعزیتی کلمات

از: **محمد عارف رضا نعمانی مصباحی** (چریاکوٹی) پیام برکات، علی گڑھ

بروز بدھ بتاریخ 25 جون 2025ء مطابق 28 ذی الحجہ 1446ھ حضور امان ملت سید امان میاں قادری برکاتی دامت برکاتہم العالیہ کے ذریعے یہ افسوس ناک خبر ملی کہ جامعہ احسن البرکات مارہرہ شریف کے سینئر استاذ حضرت مولانا اکبر علی برکاتی (جالون، یوپی) کے جواں سال صاحب زادے مولانا اکرم علی کا آسمانی بجلی کی زد میں آنے سے وصال ہو گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ہم مولانا اکرم علی مرحوم و مغفور کی بے حساب مغفرت اور بلندی درجات کی دعا کرتے ہیں اور خاص طور سے حضرت مولانا اکبر علی برکاتی، مولانا شاہد علی مصباحی، مولانا زاہد علی مرکزی اور دیگر اہل خانہ کی خدمت میں تعزیتی کلمات پیش کرتے ہیں۔

یقیناً گھر کے جواں سال فرد کا اچانک رخصت ہو جانا گہرے رنج و غم کا باعث ہے، لیکن رب کی مرضی میں راضی رہنے ہی میں دنیا و آخرت کی بھلائیاں پنہاں ہیں۔ رب کریم کی بارگاہ میں دعا ہے کہ ان کی بے حساب مغفرت فرمائے اور اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔

یوں تو موت مکمل نصیحت ہے چاہے عمر کے جس حصے میں آئے لیکن جواں سالی کی موت اپنے اندر بہت سی نصیحتوں کو سمیٹے ہوتی ہے کہ موت کا اپنا وقت ہے وہ عہد طفلی، جواں سالی یا پیرانہ سالی نہیں دیکھتی۔ جب اس کا وقت ہوتا ہے تو وہ اپنا کام کر کے لوگوں کو بیدار کر جاتی ہے کہ کل تمھاری بھی باری ہے۔ موت برحق ہے، اس کے لیے ہمیں ہر آن تیاری کرنی چاہیے ورنہ وقت پورا ہونے پر ہمیں بھی جانا پڑے گا۔

والد گرامی حضرت مولانا محمد عبد المبین نعمانی قادری دام ظلہ نے بھی جب مولانا اکبر علی برکاتی کے صاحب زادے کے وصال کی خبر سنی تو ان کو بھی بہت رنج اور افسوس ہوا، وہ بھی آپ (مولانا اکبر علی) کی خدمت میں تعزیت اور سلام پیش کرتے ہیں۔

26 جون 2025ء

*****

ممتاز المدرسین مولانا الحاج ممتاز احمد مصباحی کا وصال پر ملال

از: **رئیس احمد عزیزی مصباحی ادروی**، ہبلی، کرناٹک-9916146283

آنکھوں رو رو کے سجانے والے
جانے والے نہیں آنے والے

20 ذی الحجہ 1446ھ مطابق 17 جون 2025ء ممتاز المدرسین حضرت مولانا الحاج ممتاز احمد مصباحی ادروی ثم

مبارک پوری رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون
ممتاز المدرسین اچانک چلے گئے، اتنی خاموشی سے جتنی خاموشی سے پھولوں سے خوشبو چلی جاتی ہے، دلی کیفیت کس قلم سے بیان کی جائے۔

کھویا کھویا سا پھر رہا ہوں میں
گویا صحرا میں لٹ گیا ہوں میں

آپ 1940ء میں ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد 1958ء میں مشہور و معروف علمی درس گاہ دار العلوم اشرفیہ مصباح العلوم مبارک پور میں داخلہ لیا۔ 1963ء میں درس نظامی کی تکمیل کر کے سند و فراغت حاصل کی۔ آپ کا نسب نامہ یوں ہے: ممتاز احمد قریشی بن محمد اسماعیل منیم بن نور احمد بن بن حاجی منگرو ساکن کوپا گنج۔ آپ کے شیوخ و اساتذہ کی فہرست میں درج ذیل اسمائے گرامی آتے ہیں۔ جلالۃ العلم حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ، جامع معقول و منقول علامہ عبد الرؤف بلیاوی علیہ الرحمہ، مولانا مظفر حسن ظفر ادیبی، شیخ الادب علامہ محمد شفیع اعظمی، بحر العلوم علامہ مفتی عبد المنان اعظمی، شیخ التجوید علامہ قاری محمد یحییٰ مبارک پوری، اشرف العلما حضرت سید حامد اشرف اشرفی الجیلانی کچھوچھوی۔

1964ء سے مسند تدریس پر متمکن ہوئے بہ حکم مرشدِ گرامی حافظ ملت علیہ الرحمہ دار العلوم ضیاء العلوم برہی ضلع ہزاری باغ بہار 1964ء سے 2014ء تک یک در گیر محکم گیر کے تحت تدریسی خدمات انجام دیں۔ نصف صدی تک علم و فضل اور فکر و فن کا اجالا پھیلاتے رہے۔

2015ء اپنی اہلیہ انوری بیگم کے ہمراہ حج بیت اللہ سے شرف یاب ہوئے۔ ممتاز المدرسین علامہ ممتاز احمد عزیزی مصباحی مبارک پوری عظیم علمی و ادبی شخص تھے، اللہ رب العزت نے آپ کو علم و حکمت، ذہانت، تدبر و فکر اور حسن اخلاق کی لازوال قوتوں سے نوازا تھا۔ آپ کی ساری زندگی اسلام و سنیت کی ترویج و اشاعت میں گزری/آپ کے تلامذہ کی تعداد کثیر ہے، حق بات کہہ دینے والے تھے اگرچہ کسی پر سخت و گراں گزرے۔ دعا گو ہیں کہ رب کائنات آپ کی بیش بہا علمی اور دینی خدمات کے بدلے آپ کو اعلیٰ علیین میں جگہ عنایت فرمائے، جملہ پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین ثم آمین۔

■■■

(ص:13 کا بقیہ)۔۔۔ان آیات میں دیکھیں کہ ریح کی کیفیت بتانے والے افعال، اور ریح کی جانب لوٹنے والے تمام ضمائر مؤنث ذکر گئے ہیں، جس سے ریح کا مؤنث ہونا ظاہر و باہر ہے۔

واضح رہے کہ ریح کی تبعیت میں اس کی تمام قسمیں مؤنث ہوں گی، لہٰذا النسیم، الصبا، الدبور، الحرور، السموم، الشمال، الجنوب وغیرہ مؤنث استعمال کیے جائیں گے۔

السّاق: اس کا معنی پنڈلی ہے، اس کی جمع "السوق" ہے، لفظ "الساق" مؤنث سماعی ہے، اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے:

وَ الْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَىٕذِ ِالْمَسَاقُ. [القیامۃ: 29-30]

یعنی جب جاں کنی کا وقت ہوگا اور ایک پنڈلی دوسری پنڈلی سے ٹکرائے گی۔ اس وقت بارگاہ الٰہی میں پیشی ہوگی۔ اس آیت کریمہ میں "الساق" کے لیے "وَ الْتَفَّتِ" فعل مؤنث آیا ہے جو اس بات پر دلیل ہے کہ عربی زبان میں "الساق" مؤنث ہے۔

السبیل: اس کا معنی راستہ ہے، یہ لفظ کبھی مذکر ہوتا ہے اور کبھی مؤنث، قرآن کریم میں سبیل کے لیے مذکر و مؤنث دونوں طرح کے صیغے آئے ہیں، مؤنث کی نظیر درج ذیل آیات ہیں: (جاری) ■■■

صدائے بازگشت

ماہنامہ اشرفیہ کا دینی و ملی صحافت میں نمایاں مقام ہے

مکرم مہتاب پیامی صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے مزاجِ گرامی بخیر ہوں گے۔

میں نے آپ کے بزم دانش کے لیے "مدارس اور جدید تقاضے: چند اصلاحی تجاویز" کے عنوان پر اپنی حقیر خامہ فرسائی کی ہے، جسے آج آپ کی خدمت میں ارسال کر رہا ہوں۔ امید ہے کہ میرا یہ مقالہ جو ماہنامہ اشرفیہ کے آئندہ یعنی ستمبر کے شمارے کی زینت بنے گا، آپ کو اور آپ کی مجلسِ ادارت کو پسند آئے گا۔ میں نے اپنی بساط بھر کوشش کی ہے کہ اس اہم موضوع پر سیر حاصل بحث کروں اور مدارس کے موجودہ نظام میں رہتے ہوئے جدید تقاضوں سے ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے چند عملی اور قابلِ عمل تجاویز پیش کروں۔ میری ناقص رائے میں یہ وقت کی اہم ضرورت ہے کہ ہم اپنے مدارس کو عصری چیلنجز کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار کریں۔

یقین ہے کہ یہ کاوش قارئین کے لیے بھی مفید ثابت ہوگی اور مدارس کے ذمہ داران کو بھی اس سے کچھ نہ کچھ رہنمائی ملے گی۔ آپ کی ادارتی پالیسی کے مطابق اگر کسی ترمیم یا اضافے کی ضرورت محسوس ہو تو میں بخوشی اس کے لیے تیار ہوں۔

آپ کی علمی و ادبی خدمات کا میں تہ دل سے معترف ہوں۔ ماہنامہ اشرفیہ دینی و ملی صحافت میں ایک نمایاں مقام رکھتا ہے اور مجھے فخر ہے کہ میری تحریر آپ کے باوقار جریدے میں شائع ہو رہی ہے۔ از راہِ کرم، میری اس تحریر پر غور فرمائیں اور اشاعت کا موقع عنایت فرمائیں۔

از: مفتی **ڈاکٹر محمد سبطین رضا مرتضوی**،

ایڈیٹر سہ ماہی صدائے مناظر اہلسنت اتر دیناج پور، بنگال

دشمن کی سازش اور ہماری ذمہ داری

مکرمی! دشمن اگر کسی سرسبز درخت کو تباہ کرنا چاہے تو وہ اس کی شاخوں یا پھلوں سے الجھنے کے بجائے اس کی جڑیں کاٹنے کی تاک میں رہتا ہے۔ یہی طریقہ آج دشمنانِ اسلام اپنا رہے ہیں۔ آج جو ائمۂ کرام اور علمائے دین پر دہشت گردانہ حملے ہو رہے ہیں، وہ دراصل اسلام کی شادابی کو ختم کرنے کی گھناؤنی سازش کا حصہ ہیں، کیوں کہ دشمن جانتا ہے کہ شجرِ اسلام کی آبیاری انھی علمائے کرام کے خونِ جگر اور جہدِ مسلسل سے ہو رہی ہے۔

انھیں معلوم ہے کہ اگر علما اور ائمہ کو خوف و دہشت کا نشانہ بنایا جائے گا تو لوگ اپنے بچوں کو اس راہ پر ڈالنے سے گریز کریں گے، نتیجتاً مستقبل ایک ایسے خلا سے دوچار ہو جائے گا جہاں دینی قیادت کا فقدان ہوگا، اور یوں ان کا ناپاک منصوبہ کامیاب ہو جائے گا۔ ایسے نازک حالات میں ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم علمائے کرام کی کردار کشی یا لعن طعن کے بجائے ان کی دل جوئی اور حوصلہ افزائی کریں، ان کے تحفظ کو یقینی بنائیں، اور اپنی نئی نسل میں دینی تعلیم کی رغبت و محبت پیدا کریں، اپنے بچوں کے دلوں میں اسلامی احکام کی عظمت بٹھائیں تاکہ آفتابِ اسلام ہمیشہ اپنی آب و تاب کے ساتھ نصف النہار پر چمکتا رہے۔

از: **محمد شارق رضا**۔ کوشامی۔ 9554534625

غزہ میں اسرائیل کا انسانی کیمپ منصوبہ، درپردہ نسلی صفایا؟

جب کسی قوم کی آواز کو طویل عرصے تک دبایا جاتا ہے، تو یہ اجتماعی اموات کا سبب بنتی ہے۔ غزہ کے تناظر میں دیکھا جائے تو اب تک 60 ہزار سے زائد فلسطینی جاں بحق ہو چکے ہیں۔ 22 مہینوں کے خونی قتل عام کے بعد، اسرائیلی وزیر اعظم بنیامن نیتن یاہو کی حکومت نے اپنے ہاتھ 'صاف' ظاہر کرنے کے لیے ایک نیا راستہ نکالا ہے۔ جنوبی غزہ کے شہر رفح کے کھنڈرات پر فلسطینیوں کے لیے ایک نئے 'انسانی شہر' کی تعمیر کی منصوبہ بندی کی جا رہی ہے۔

اسرائیلی وزیر دفاع اسرائیل کاٹز کے مطابق، اس منصوبے کے ابتدائی مرحلے میں رفح اور خان یونس کے درمیان واقع جنوبی غزہ کے ساحلی علاقے المواسی میں چھ لاکھ فلسطینیوں کو بسایا جائے گا، حالاں کہ فی الوقت یہ علاقہ پہلے ہی حد سے زیادہ بھر چکا ہے۔ بعد میں اس 'انسانی شہر' کو پھیلا کر غزہ کی پوری 20 لاکھ سے زیادہ کی آبادی کو یہاں بسایا جائے گا۔

یہ تمام لوگ سخت سکیورٹی جانچ کے بعد ایک محدود علاقے میں رکھے جائیں گے۔ ان کی بیرونی دنیا تک رسائی مکمل طور پر ختم کر دی جائے گی۔ وہ مکمل طور پر اسرائیلی فوج کے گھیراؤ میں ہوں گے۔ کیا یہ فوجی محاصرہ 'انسانی' محسوس ہوتا ہے؟ یا پھر یہ فلسطینی عوام کو ان کے گھروں سے جبراً بے دخل کرنے، قید کرنے اور آخر کار انھیں مٹانے کا ایک مرحلہ وار منصوبہ ہے؟

ان لوگوں کی روز مرہ زندگی معمولی امداد پر منحصر ہوگی۔ ان کا مستقبل ان غیر ملکی طاقتوں کے رحم و کرم پر ہوگا جنھوں نے نہ انھیں پناہ دینے پر رضامندی ظاہر کی ہے اور نہ ہی اس منصوبے کی حمایت کی ہے۔ کوئی بھی بین الاقوامی ادارہ اس مجوزہ علاقے کے انتظام کی ذمہ داری لینے کو تیار نہیں، اگرچہ اسرائیل دعویٰ کرتا ہے کہ اس کی نگرانی کسی خود مختار ادارے کے ذریعے کی جائے گی۔ بظاہر اسرائیلی فوج براہِ راست اس علاقے کا انتظام نہیں سنبھالے گی لیکن وہ مکمل کنٹرول ضرور رکھے گی۔

یہ جبر کی ایک منظم حکمتِ عملی ہے کسی خاص گروہ کو تنہا کرو، اس کے بنیادی ڈھانچے کو تباہ کرو، اسے ایک نئی جگہ منتقل کرو اور مکمل قابو حاصل کر لو۔ غزہ کے عوام پہلے ہی خوفناک بمباری، جبری نقل مکانی اور ناقابلِ تصور مصائب کا سامنا کر چکے ہیں۔ اب انھیں رفح کے ملبے پر بنے کیمپ میں جبراً منتقل کیا جائے گا۔

اسرائیل یہ سب کیوں کر رہا ہے، اس پر کوئی شبہ نہیں۔ اسرائیل واضح طور پر فلسطینیوں کو غزہ چھوڑنے پر 'مجبور' کرنا چاہتا ہے۔ وزیر دفاع کاٹز بار بار اس کی بات کرتے رہے ہیں، اگرچہ وہ 'رضاکارانہ نقل مکانی' جیسے گمراہ کن الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ جن لوگوں کو مسلسل بمباری، بھوک، دوا کی قلت اور واپسی کے راستے بند ہونے کا سامنا ہو، ان کی نقل مکانی کو 'رضاکارانہ' نہیں کہا جا سکتا، یہ مکمل جبر ہے۔

یہ منصوبہ اسرائیلی سیاسی حلقوں میں بھی خدشات کا سبب بن رہا ہے۔ معتدل سیاسی جماعت یش آتید کے رہنما اور حزب اختلاف کے لیڈر یائیر لاپید نے اسے 'خطرناک' قرار دیا ہے، جب کہ سابق وزیر اعظم ایہود اولمرٹ نے اسے 'اذیت خانہ' کہا ہے اور خبردار کیا ہے کہ فلسطینیوں کو زبردستی کسی علاقے میں لے جانا ان کی نسل کشی ہوگا۔ اسرائیلی تاریخ میں اس قدر خوفناک مثال نہیں ملتی، لہٰذا مقامی رہنماؤں کی تنقید کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ فلسطینیوں کو یوں گھیر کر الگ کرنا اسرائیلی حکومت کے

دائیں بازو کے شدت پسندوں اور ان کے بین الاقوامی اتحادیوں کے اس نظریے کے عین مطابق ہے جو غزہ سے مکمل بے دخلی پر یقین رکھتے ہیں۔ اسرائیلی فیصلہ ساز بین الاقوامی حمایت یا سفارتی حل کا انتظار نہیں کر رہے، بلکہ وہ زمینی سطح پر یک طرفہ اقدامات کر رہے ہیں، چاہے اس سے بین الاقوامی قوانین کی کھلم کھلا خلاف ورزی ہی کیوں نہ ہو۔

اس حوالے سے بین الاقوامی قوانین بالکل واضح ہیں۔ مقبوضہ آبادی کی جبری منتقلی جنیوا کنونشن کی کھلی خلاف ورزی ہے۔ جبری ملک بدری بھی اسی زمرے میں آتی ہے۔ غزہ میں جو کچھ ہو رہا ہے، وہ محض قانونی خلاف ورزی نہیں، بلکہ ایک طویل اور تباہ کن ماضی کے ساتھ منسلک بڑے جرائم میں شامل ہے۔ جب یہ جرائم بڑے پیمانے پر ہوتے ہیں تو انھیں انسانیت کے خلاف جرائم قرار دیا جاتا ہے۔ رفح میں بننے والا 'انسانی شہر' اسی زمرے میں آتا ہے۔

اس منصوبے کی ضرورت کیوں پیش آئی، اس کی کوئی معقول توجیہہ پیش نہیں کی گئی۔ اسرائیل کا دعویٰ ہے کہ یہ شہر ایک عارضی محفوظ علاقہ ہوگا لیکن اس کے اپنے بیانات ہی اس دعوے کی نفی کرتے ہیں۔ وہاں سے واپس جانے کا کوئی طریقہ موجود نہیں۔ تباہ شدہ علاقوں کی تعمیر نو یا فلسطینیوں کو ان کی زمین واپس دینے کی کوئی منصوبہ بندی نہیں۔ اس کے برعکس، اسرائیلی حکومت دوسرے ممالک پر زور دے رہی ہے کہ وہ غزہ سے نکلنے والے پناہ گزینوں کو قبول کریں۔ یہ سکیورٹی اقدامات نہیں بلکہ نسلی بے دخلی کا اگلا مرحلہ ہے۔

اگر یہ نام نہاد 'انسانی شہر' قائم ہوتا ہے تو یہ در حقیقت ایک فوجی قید خانہ ہوگا۔ ایک ایسی جگہ جہاں 20 لاکھ افراد کو فوجی نگرانی میں رکھا جائے گا اور بتدریج وہاں سے بھی نکال دیا جائے گا۔ اس علاقے میں مستقل سکونت کے لیے کوئی انفرا اسٹرکچر نہیں ہوگا، نہ اسکول، نہ کلینک، نہ ملازمتیں اور نہ ہی ٹرانسپورٹ، کیوں کہ مقصد غزہ کے اندر بازآبادکاری نہیں بلکہ فلسطینیوں کی موجودگی کو مکمل طور پر ختم کرنا ہے۔ 1948 میں اسرائیل کے قیام کے وقت سے فلسطینیوں کو ان کی زمینوں سے بے دخل کرنا اس کی پالیسی کا مرکزی نکتہ رہا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اس بار اس عمل کا دائرہ کار وسیع تر ہے اور اسے کھلے عام، منصوبہ بند طریقے سے نافذ کیا جا رہا ہے۔ موجودہ اسرائیلی حکومت، جو انتہائی دائیں بازو کی اتحادی جماعتوں کے زیر اثر ہے، اس منصوبے کو تیز رفتاری سے آگے بڑھا رہی ہے۔ بڑے پیمانے پر جبری نقل مکانی سے پہلے 'انسانی شہر' محض ایک ابتدائی مرحلہ ہے۔ نسلی صفایا ایسے ہی ہوتا ہے، یہ اچانک نہیں ہوتا، بلکہ مرحلہ وار، سوچے سمجھے طریقے سے ہوتا ہے۔ اس جنگ کے آغاز سے اب تک غزہ میں 60 ہزار سے زیادہ لوگ مارے جا چکے ہیں۔ پورے محلے صفحۂ ہستی سے مٹ چکے ہیں۔ اسپتال، اسکول اور مکانات کھنڈرات بن چکے ہیں۔ اور اب جو لوگ زندہ بچے ہیں، انھیں ایک ایسے پنجرے میں بند کیا جا رہا ہے جہاں سے وہ باہر نہیں نکل سکتے، جہاں ان کا انحصار صرف غیر ملکی امداد پر ہوگا اور ان کے تمام بنیادی حقوق سلب کر لیے جائیں گے۔

اس منصوبے کا نفاذ نہ صرف فلسطینیوں کے لیے تباہ کن ہوگا بلکہ بین الاقوامی اصولوں کے لیے بھی۔ کسی ملک کو انسانی ہمدردی کے نام پر پوری آبادی کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کی اجازت دینا دراصل ان قوانین کو کمزور کرے گا جو دوسری عالمی جنگ کی ہولناکیوں کے بعد وضع کیے گئے تھے۔ اس سے ان پالیسیوں کو معمول بنایا جائے گا جنھیں کبھی سفارتی سطح پر مجرمانہ قرار دیا جاتا تھا۔ اس کا سب سے خطرناک پیغام یہ ہوگا کہ طاقت ور ممالک بلا خوف و خطر، کسی قوم کو زبردستی اس کی زمین سے بے دخل کر سکتے ہیں اور ان کے سیاسی و سماجی نقشے بدل سکتے ہیں۔

تاریخ نے ہمیں دکھایا ہے کہ یہ راستے کس انجام کی طرف لے جاتے ہیں، نظر بندی اور اجتماعی نقل مکانی جنیوا کنونشن کی صرف خلاف ورزیاں نہیں بلکہ ایسی پالیسیوں کے پیش خیمہ ہیں جو نسلوں تک پھیلنے والے مستقل تشدد کی نمائندگی کرتی ہیں۔

از قلم: **اشوک سوین**/ پروفیسر اپسالا یونیورسٹی، سویڈن

سرگرمیاں

خیر و خبر

علما کی قیادت میں انصاف کی شان دار فتح

دنیا کی تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ جب ظلم و جبر کے اندھیرے بڑھتے ہیں، تو حق و انصاف کے دیے بھی روشن ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ ایسا ہی ایک واقعہ ضلع پونے کے پوڑ گاؤں میں پیش آیا، جہاں مولانا وسیم اکرم مصباحی کو ایک ناپاک سازش کے تحت جھوٹے مقدمے میں پھنسا کر تقریباً ایک ماہ تک ایروڑا جیل میں قید رکھا گیا۔ مگر یہ بھی سچ ہے کہ ظلم خواہ کتنا ہی منظم کیوں نہ ہو، اگر اہلِ حق متحد ہو جائیں، تو سچائی کو دبایا نہیں جا سکتا۔

واقعہ کچھ یوں تھا کہ مولانا وسیم اکرم مصباحی، جو پوڑ گاؤں کی جامع مسجد کے امام و خطیب تھے، ان پر شر پسند عناصر نے ایک ایسا الزام لگایا جس کی نہ کوئی بنیاد تھی، نہ کوئی شہادت، اور نہ کوئی قانونی جواز۔ ہوا یوں کہ ایک پاگل مسلم بچے نے گاؤں کے مندر میں پیشاب کر دیا۔ یہ عمل خود بچے کی ذہنی حالت کا نتیجہ تھا، اور اس کی تمام حرکتیں وہاں نصب سی سی ٹی وی کیمرہ میں قید ہو چکی تھیں۔ مگر اس کے باوجود شرپسندوں نے مذکورہ بچے کو دھمکا کر یہ جھوٹا بیان دلوایا کہ یہ حرکت اُس نے امام صاحب کے کہنے پر کی۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بغیر کسی ثبوت کے، بغیر کسی تحقیقی عمل کے، آخر ایک عالمِ دین کو کس بنیاد پر گرفتار کیا گیا؟ حیرت ناک بات یہ ہے کہ محض ایک زبانی بیان کی بنیاد پر چھ سنگین دفعات لگا کر مولانا کو جیل بھیج دیا گیا۔ یہ عمل نہ صرف قانون کی توہین تھی بلکہ انسانی وقار اور معاشرتی انصاف کے تمام اصولوں کے خلاف تھا۔ یہ محض ایک واقعہ نہیں تھا، بلکہ ایک ایسا آتش فشاں تھا جس کے دھماکے سے پورا علاقہ جھلس سکتا تھا۔ فرقہ وارانہ فضا اس قدر نازک تھی کہ ایک ذرا سی بے احتیاطی یا چنگاری سنگین فساد کا پیش خیمہ بن سکتی تھی۔ میڈیا، سوشل میڈیا اور شرپسند عناصر کی نظریں اس معاملے پر جمی ہوئی تھیں، اور بعض سیاسی حلقے اس آگ کو ہوا دینے کے درپے تھے۔

لیکن ہم نے غیر معمولی حکمت و مصلحت کا مظاہرہ کیا۔ نہ کوئی احتجاج، نہ کوئی تقریر و بیان، —بلکہ سناٹے میں ڈوبی ہوئی ایک بیدار خاموشی۔ ہم نے قانون کے راستے پر چلتے ہوئے، پوری سنجیدگی اور خاموشی سے اس لڑائی کو لڑا۔ ہر لفظ، ہر قدم سوچ سمجھ کر رکھا تاکہ کوئی موقع دشمن کو نہ ملے اور امن کی شمعیں بجھنے نہ پائیں۔ اس نازک مرحلے میں ایڈوکیٹ ایم ایم سید، ایڈوکیٹ ذاکر عطار، اور دیگر وکلا نے شب و روز محنت کی اور تنظیم کے شانہ بہ شانہ رہ کر مقدمے کو قانونی طور پر نہایت ہی استحکام و مضبوطی کے ساتھ لڑا۔ الحمدللہ! علمائے اہلِ سنت پونے کی ہماری متحرک و فعّال ٹیم نے اس آزمائش میں سرخرو ہو کر دکھایا کہ جب علما اور وکلا متحد ہو جائیں، تو ظلم کے قلعے بھی زمین بوس ہو جاتے ہیں۔ بالآخر، ہماری تنظیمی کوششوں سے مولانا وسیم اکرم مصباحی کو باعزت رہائی نصیب ہوئی، اور سچائی کا بول بالا ہوا۔

یہ نہ صرف مولانا کی ایک رہائی ہے بلکہ یہ ہر اس انسان کے لیے پیغام ہے جو ظلم کا شکار ہے اور امید ہار بیٹھا ہے۔ مولانا کی رہائی اس بات کی گواہی ہے کہ اگر اہلِ حق باہم متحد ہو جائیں، تو حالات کا دھارا موڑ سکتے ہیں۔ ہم خاص طور سے ایڈوکیٹ ایم ایم سید صاحب کے بے حد شکر گزار ہیں، جنھوں نے بغیر کسی مطالبہ اور پیسوں کے خلوص و للہیت کے جذبات سے سرشار ہو کر اس حساس کیس کو لڑا اور اس مشن کو کامیابی کی منزل تک پہنچایا۔ ان کی شبانہ روز محنت، جدوجہد اور عملی اقدام نے نہ صرف ایک بے گناہ کو رہا کروایا بلکہ ایسے آزمائش بھرے حالات میں ہمیں بڑا حوصلہ بھی دیا۔

آج ہمیں اس واقعے سے یہ سبق لینا چاہیے کہ صرف دعاؤں سے کام نہیں چلتا، عمل کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ بس متحد رہیں، بیدار رہیں اور ایسے معاملات میں آگے آکر خود کچھ کریں یا دوسروں کا ساتھ دیں۔

تحریر: محسن رضا ضیائی، پونے 9921934812

خیابان حرم

نعت

خزانہ رب کا لٹا رہے ہیں
حضور سب کو نبھا رہے ہیں

بسا کے دل میں نبی کی الفت
ہم اپنا دل جگمگا رہے ہیں

نبی رسل اور ملائکہ بھی
ثنا انہیں کی سنا رہے ہیں

درِ نبی کا ادب تو دیکھو
جبیں فرشتے جھکا رہے ہیں

ہو جن کے دل میں نبی کی الفت
وہ لطف ایماں کا پا رہے ہیں

درود پڑھنے کے ہیں جو عادی
وہ اپنی قسمت جگا رہے ہیں

انھیں قیامت کا غم ہو کیوں کر
جو ان پہ سب کچھ لٹا رہے ہیں

جنھیں بلاتے ہیں وہ مدثّر
وہی مدینے کو جا رہے ہیں

محمد مدثّر حسین اشرفی پورنوی

نعت

اے منبع جود و سخا یا رحمۃ للعالمیں
اس سمت بھی چشم عطا یا رحمۃ للعالمیں

رحمت تری وہ ہے نہیں جس کی کہیں کوئی مثال
عظمت تری سب سے جدا یا رحمۃ للعالمیں

ماں باپ کا لطف و کرم مشہور عالم ہے مگر
تیرا کرم سب سے سوا یا رحمۃ للعالمیں

بعد از خدا کونین کی ہر ایک شے کے واسطے
ہے ذات تیری منتہا یا رحمۃ للعالمیں

ہم کو ترے ہی نام سے عزت ملی ، عظمت ملی
یہ جاں یہ دل تجھ پر فدا یا رحمۃ للعالمیں

وہ چیز ہے تیرا ادب ، ہم کو ہوا ہے حکم رب
خاموش ہوں دے کر صدا یا رحمۃ للعالمیں

جنت ترا باب عطا ، عقبیٰ تری زلف کرم
دنیا تری رحمت سرا یا رحمۃ للعالمیں

پھرتے ہیں ہر سو در بہ در منگتوں پہ اپنے کر نظر
محبوب رب ، شاہ ہدیٰ یا رحمۃ للعالمیں

ہر سمت ہیں تاریکیاں ، ہر سمت ہیں محرومیاں
جلتا نہیں اک بھی دیا یا رحمۃ للعالمیں

از ابتدا تا انتہا محفوظ تجھ میں سارے عکس
ہے ذات تیری آئنہ یا رحمۃ للعالمیں

بس اک گزارش ہے یہی، تیرے گداگر نور کو
مل جائے رستہ نور کا یا رحمۃ للعالمیں

سید محمد نورالحسن نور نوّابی قاضی پور شریف

R.N.I. No. 29292/76
Regd. No. AZM/N.P.28 2023-25

THE ASHRAFIA MONTHLY

Mubarakpur Azamgarh (U.P.) 276404 (INDIA)

SEP. 2025

(Mob. No.) 9450109981 (Mumbai Office) 022-23726122 **(Delhi Office) Tel. 011-23268459, Mob.No. 9911198459**

www.aljamiatulashrafia.org Email: info@aljamiatulashrafia.org

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کا علمی فیضان ہندوستان گیر ہی نہیں بلکہ اب عالم گیر ہوگیا ہے۔ اشرفیہ نے جس برق رفتاری سے ارتقائی منزلیں طے کی ہیں اشرفیہ کے معاونین اور دیگر اہلِ خیر اس سے بخوبی واقف ہیں۔ اس وقت دو سو پچاس سے زائد افراد پر مشتمل ایک متحرک اور فعال اسٹاف اپنے فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہے اور مختلف شعبوں میں تقریبًا گیارہ ہزار طلبہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ بیرونی طلبہ کی خوراک، رہائش اور اساتذہ و ملازمین کی تنخواہوں پر ایک خطیر رقم سالانہ خرچ کی جاتی ہے۔ لہٰذا یہ ادارہ بجا طور پر اہلِ خیر حضرات کی خصوصی توجہ کا طالب ہے۔ والسلام

عبدالحفیظ عفی عنہ
سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور

DONATION

You can make donation by cheque, Draft or by online in the favour of–

(For Education) برائے تعلیمی چندہ	(For Construction) برائے تعمیری چندہ
(1) Darul Uloom Ahle Sunnat Madrasa Ashrafia Misbahul Uloom **Central Bank of India** **A/C 3610796165** IFSC. Code: CBIN 0284532	(1) Aljamiatul Ashrafia **Central Bank of India** **A/c 3610803301** IFSC. Code: CBIN 0284532
(2) Darul Uloom Ahle Sunnat Madrasa Ashrafia Misbahul Uloom **Union Bank of India** **A/C 303001010333366** IFSC. Code: UBIN 0530301 Branch Code: 530301	(2) Aljamiatul Ashrafia **Union Bank of India** **A/c 303002010021744** IFSC. Code: UBIN 0530301 Branch Code: 530301
(3) Darul Uloom Ahle Sunnat Madrasa Ashrafia Misbahul Uloom **Punjab National Bank** **A/c 05752010021920** IFSC. Code : PUNB0057510	(3) Aljamiatul Ashrafia **Punjab National Bank** **A/c 05752010021910** IFSC. Code : PUNB0057510

(1)- Exempted u/s 80G, (5) (VI), of Income Tax Act. 1961, Vide File No. Aa.Ayukt/Gkp/80G, Redg. S.No. 178/2011-12 Dt. 30/8/2011 w.e.f A.Y 2012-13 (F.Y.2011-12)
(2)- Exempted u/s 12A, Vide Letter No. 177/2011-12

BHIM
BHARAT INTERFACE FOR MONEY

BHIM UPI Payments Accepted at
Darul Uloom Ahle Sunnat
Madrasa Ashrafia Misbahul Uloom
Account Number : 3610796165, IFSC Code: CBIN0284532

SCAN & PAY ANY UPI SUPPORTED APPS

Only for Foreign Countries. FCRA Registration. No.236250051 Nature: Educational Social. For Account Detail, please visit http://aljamiatulashrafia.in/donation.php?lang=EN